بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَہَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ
وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (متفق علیہ)

فلسفہ ارکانِ خمسہ ۵

از رشحاتِ قلم

ازقلم باطل شکن خطیبِ پاکستان مولانا محمد صدیق ملتانی مدظلہ العالی



مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد

نام کتاب	——	فلسفہ ارکانِ خمسہ
مصنف	——	مولانا محمد صدیق صاحب ملتانی
سرورق وکتابت	——	فانی خوشنویس خانیوال
طابع	——	سید حمایت رسول قادری
ایڈیشن	——	دوئم
تعداد	——	ایک ہزار
صفحات	——	۱۶۰
سن اشاعت	——	جنوری ۲۰۰۳ء
مطبوعہ	——	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز۔ لاہور
ناشر	——	مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد
قیمت	——	۶۰ روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد فون 626046

فہرست

۱۔ فلسفہ کلمہ طیبہ	....	۴ تا ۲۷
۲۔ فلسفہ نماز	....	۲۸ تا ۶۴
۳۔ فلسفہ زکوٰۃ	....	۶۵ تا ۸۹
۴۔ فلسفہ روزہ	....	۹۰ تا ۱۲۲
۵۔ فلسفہ حج	....	۱۲۳ تا ۱۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلْسَفَۂ اَرْکَانِ خَمْسَہ

فَلْسِفَۂ کَلِمَۂ طَیِّبَہ

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔ القرآن پ

کلمہ طیبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اچھی ذات کا درخت ہو جس کی جڑیں زمین میں خوب جمی ہوئی ہوں اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور جو ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پر پھل لائے چلا جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کے چند الفاظ ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی انسان کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا تو اب مسلمان ہو گیا۔ پہلے ناپاک تھا تو اب پاک ہو گیا۔ پہلے خدا کا مغضوب و معتوب تھا تو اب مقبول و محبوب ہو گیا۔ پہلے دوزخ کا مستحق تھا تو اب جنت کے دروازے اس کے لئے کھل گئے۔ پہلے وہ شتر بے مہار کی طرح تھا تو اب ایک نبی کا امتی بن گیا اور شریعت اسلامیہ کی حدود میں آگیا۔ پہلے گمراہ تھا تو اب ہدایت یافتہ ہو گیا۔

کلمہ طیبہ کیا ہے ایک سچی بات ہے ایسی سچی بات کہ دنیا میں اس سے زیادہ سچی بات کوئی ہو نہیں سکتی۔ سارے جہان کا خدا ایک اللہ ہے اور اس کی وحدانیت پر کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے انسانات، جنات، حیوانات، معدنیات، جمادات، نباتات، آفتاب کی رنگین اور سنہری کرنیں چاند کی دلربا چاندنی، ستاروں کی چمک، موتی کی دمک، پھولوں کی مہک، بلبل کی چہک، دریاؤں کی روانی پہاڑوں کی بلندی، آسمان کی نیلگوں چھت، زمین کا خوشنما فرش، جنت و رضوان، حور و غلمان غرضیکہ ہر مخلوق کا خالق وہی ایک اللہ ہے اس سارے جہان کا مالک و حاکم وہی ایک اللہ ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے۔ وہی مارتا ہے، فنا اور بقا اسی کے قبضے میں ہے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی خدائی نہیں تو ہر چیز اس سچی بات کی گواہی دیتی ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے معبود اور اپنے عبد ہونے کا اقرار کر کے اس پر کما حقہ قائم و دائم رہتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اس کی مطیع ہو جاتی ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ چنانچہ علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سفر کرتے ہوئے دُور نکل گئے ایک جنگل میں آپ کو ایک خیمہ نظر آیا اس کے قریب پہنچے اس وقت پیاس کا غلبہ تھا۔ اہل خیمہ سے پوچھا! کیا تمہیں مہمان چاہیئے انہوں نے ہاں میں جواب دیا، آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دودھ یا شہد ہے۔ اس پر اہل خیمہ میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس نے ایک پتھر کو دوسرے پر مارا تو ایک پتھر میں سے تازہ دودھ اور دوسرے میں سے شہد نکلا۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا اللہ تیرے اس بندے کو یہ مرتبہ کیسے ملا۔ ارشادِ باری ہوا:۔

یَا خَلِیْلِیْ کَانَ لَنَا فَکُنَّا لَہٗ اے میرے خلیل! یہ ہمارا ہو گیا تو ہم اس کے ہو گئے۔

معلوم ہوا جب بندہ اس خالقِ کائنات کا فرمانبردار بن جاتا ہے تو زمین و آسمان کی ہر چیز اس کا ساتھ دیتی ہے۔ کیوں کہ ہر چیز اسی خدا کی فرمانبردار ہے۔ جو آدمی کلمہ طیبہ پر ایمان لا کر اپنی زندگی کو اسی کے مطابق بنا لے گا۔ زمین و آسمان کی ساری طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ دنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا اور پھولتا ہی جائے گا۔ کامیابی اور فلاح اس کے قدم چومے گی۔ ناکامی اور نامرادی اس کے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ کہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے جس کی جڑیں زمین پر جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوتی ہیں اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے۔

کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لا الہ الا اللہ کہہ کر انسان یہ اقرار کر لیتا ہے کہ یہ دُنیا نہ تو بے خُدا کے بنی ہے۔ اور نہ ہی ایسا ہے۔ کہ اس کے بہت سے خُدا ہیں، بلکہ دراصل اس کا خُدا ہے اور وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ دوسری بات جس کا اقرار کلمہ پڑھنے والے نے کیا یہ ہے کہ وہی ایک خدا سارے جہان کا مالک ہے۔ انسان اور اس کی ہر چیز اسی خُدا کی مِلک ہے، وہی خالق ہے وہی رازق ہے موت اور زندگی اسی کے اختیار میں ہے۔ مصیبت اور راحت بھی اسی کی طرف سے ہے جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے۔ اس کا چھیننے والا بھی حقیقت میں وہی ہے۔ ڈرنا چاہیئے تو اسی سے، سر جھکایا جایا تو اسی کے سامنے، عبادت اور بندگی کی جائے تو اسی کی، ہر انسان کا فرض ہے کہ اس کا حکم ماننے اس کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرے۔

لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ پیغمبر ہیں جن کے ذریعے سے خُدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا۔ خُدا تعالیٰ کو حاکم مطلق مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا ضروری تھا کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں ہم کون سے کام کریں جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور وُہ کون سے کام ہیں جن کے کرنے سے وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ کونسا قانون ہے جس کی پابندی مدارِ نجات ہے۔ اور اس کی خلاف ورزی ہلاکت کا موجب ہے۔ یہ سب باتیں بتانے کے لئے اس نے اپنے برحق نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ آپ نے خُدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کر کے ہمارے لئے ایک صراطِ مستقیم متعین کر دیا اور بتا دیا کہ تمہیں میرے نقشِ قدم پر چل کر زندگی گزارنی چاہیئے۔ جب آدمی محمد رسول اللہ اپنی زبان سے کہتا ہے تو گویا اس بات کا اقرار کر لیتا ہے کہ جو طریقہ حضور علیہ السلام نے بتایا اس کی پیروی کروں گا۔ اور جو قانون اس کے خلاف ہے اس کو پس پشت ڈال دونگا۔ یہی وہ اقرار ہے جس کی بدولت ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی بن جاتا ہے، دوسرے مسلمان اس کے مددگار بن جاتے ہیں اس کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس کو زکوٰۃ، صدقات اور خیرات وغیرہ دیتے ہیں۔ جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے دو جزو ہیں لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ لا الہ الا اللہ میں توحید کا اور محمد رسول اللہ میں رسالت کا بیان ہے۔ توحید و رسالت وہ بنیادی

عقیدہ ہے جس پر اسلام کی ساری عمارت قائم ہے۔ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر ہی سب مسلمان ہوتے ہیں۔ توحید کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کو معبود برحق وحدہ لاشریک لہٗ ماننا اور استحقاق عبادت یا وجوب وجود کو الوہیت کہتے ہیں، غایت تعظیم اور انتہائے تذلل کو عبادت کہتے ہیں جس کی اصل یہ ہے کہ عبادت کرنے والا جس کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے لئے ذاتی اور مستقل صفت ماننا ہے جس میں کسی کی قدرت اور مشیت کو کسی قسم کا کوئی دخل نہیں۔ اصل عبادت اسی اعتقاد کو کہتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کسی اطاعت یا اس کے لئے کوئی اور عمل کرنا اس کی عبادت ہوگی۔ بغیر عمل کے کسی کے لئے صرف اعتقاد کا ہونا بھی اس کی عبادت قرار پائے گا۔ چونکہ الوہیت اور معبودیت استقلالِ ذاتی کے بغیر متصور نہیں اس لئے کسی کو مجازی الٰہ یعنی معبود نہیں کہہ سکتے۔

اب ذرا آج کل کے توحیدیوں کی بھی سنئے کہ وہ الٰہ کی تعریف کیا کرتے ہیں۔ آج عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ الٰہ وہ ہے جو غیب جانے، الٰہ وہ ہے جو بیٹا دے، الٰہ وُہ ہے جو شفا دے، الٰہ وہ ہے جو دُور سے سُنے اور دیکھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ جو عام مسلمان حضراتِ انبیاء کرام و اولیاء عظام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مذکورہ صفات سے متصف سمجھتے ہیں وہ مشرک ہیں، کیوں کہ انہوں نے ان بندوں کو الٰہ مان لیا۔ مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ وُہ غیب جانتے ہیں اور شفا دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ وُہ مشرک تھے یہ مسلمان بھی نبیوں اور ولیوں میں یہ صفات مان کر مشرکین عرب کی طرح ہی شرک میں گرفتار ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں یہ واضح کروں کہ الٰہ کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ ہی ان چیزوں پر مدار الوہیت ہے۔ میں شرک کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ شرک کیا ہے شرک کے لغوی معنی ہیں حصہ یا ساجھا لہٰذا شریک کے معنی ہیں حصہ دار یا ساجھی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ — کیا ان بتوں کا آسمانوں میں حصہ ہے۔

شرک بمعنی کفر بھی قرآن میں آیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ — یعنی اللہ تعالےٰ اس جرم کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے سوا جس کو چاہے بخش دیگا۔

اس آیت میں شرک سے مراد کفر ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی کفر بخشش کے لائق نہیں، اور کسی

کافر مرد سے مومنہ عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، ہر مومن ہر کافر سے بہتر ہے خواہ مشرک ہو جیسے ہندو یا کوئی اور جیسے یہودی عیسائی وغیرہ۔

شرک کی حقیقت رب تعالیٰ سے مساوات پر ہے۔ یعنی جب تک کسی کو رب تعالیٰ کے برابر نہ جانا جائے تب تک شرک نہ ہوگا۔ اسی لئے قیامت کے دن کفار اپنے بتوں سے کہیں گے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ تم کو رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

اسطرح برابر جاننے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کو خدا کا ہم جنس مانا جائے۔ جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے، چونکہ اولاد باپ کی ہم جنس اور مساوی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ ماننے والا مشرک ہوگا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۔ یہودی بولے کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی بولے کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی طرح کسی کو خالق مانا جائے، جیسے کہ بعض کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق دوسرا رب ہے۔ اب بھی پارسی یہی مانتے ہیں، خالق خیر کو یزداں اور خالق شر کو اہرمن کہتے ہیں۔ اس قسم کے مشرکوں کی تردید میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے،

خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ ۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۔ اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا۔ اس نے زمین و آسمان بجا بنائے وہ ان کے شرک سے برتر ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خود زمانہ کو مؤثر مانا جائے اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر دیا جائے جیسے کہ دہریہ لوگ، ایسے لوگوں کی تردید میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۔ وہ بولے وہ تو نہیں مگر یہ ہماری دنیا کی زندگی مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا خالق تو ہے مگر وہ ایک بار پیدا کر کے تھک گیا

ہے اب کسی کام کا نہیں رہا۔ اب اس کی خدائی کو ماننے والے یہ ہمارے معبودان باطلہ ہیں، اس قسم کے مشرکین عجب بکواس کرتے تھے، کہتے تھے کہ چھ دن میں خدا تعالےٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ساتواں دن اس نے اپنے آرام کے لئے رکھا ہے اور اب تک آرام کر رہا ہے۔ چنانچہ فرقہ تعطیلیہ اس قسم کے مشرکوں کی یادگار ہے۔ ایسے لوگوں کی تردید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔

اور بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، چھ دن میں بنایا اور ہمیں تھکن نہ آئی

پانچویں صورت یہ ہے کہ ہر ذرہ کا خالق و مالک تو اللہ ہی ہے مگر وہ اتنے بڑے عالم کو سنبھالنے پر قادر نہیں، اس لئے اس نے مجبوراً اپنے بندوں میں سے بعض بندے عالم کے انتظام کے لئے چن لیے ہیں، یہ بندے ہونے کے باوجود رب تعالےٰ پر دھونس رکھتے ہیں، رب تعالےٰ کو ہر حال میں ان کی ماننی پڑتی ہے۔ ورنہ اس کا عالم بگڑ جائے، یہ وہ شرک ہے جس میں عرب کے بہت سے مشرکین گرفتار تھے۔ اس عقیدے سے کسی کو پکارنا شرک ہے۔ اس کی شفاعت ماننا شرک، اسے حاجت روا اور مشکلکشا ماننا شرک ہے۔ ایسے مشرکوں کے تردید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو تابع کیا تو کہیں گے اللہ نے تو پھر تم کدھر پھرے جاتے ہو۔

اب جو لوگ مسلمانوں پر شرک کا فتوٰے صرف اس لئے لگاتے ہیں کہ وہ انبیاء کرام خصوصاً امام الانبیاء کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے ان کو علم غیب عطا فرمایا، وہ خدا کے اذن سے بیماروں کو شفایاب کر دیتے دور کی آواز کو سن لیتے اور دور سے چیز کو دیکھ لیتے ہیں وہ لوگ قرآن کی کوئی ایک آیت ایسی پیش کریں جس سے ان مذکورہ صفات کی صریحاً نفی ہوتی ہو۔

اب اس امر کی وضاحت کی جاتی کہ ان متذکرہ صفات میں سے کوئی بھی الوہیت کا مدار نہیں، ورنہ از روئے قرآن لاکھوں الٰہ ماننے پڑیں گے۔

غیب کا جاننا اگر غیب کا جاننا مدارِ الوہیت ہے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی الٰہ قرار پائیں گے۔ کیوں کہ قرآن نے ان کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے یوں خطاب

فرمایا:۔

وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔

اور میں تم کو خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم اپنے گھروں میں کھاتے اور بچاتے ہو۔

اس آیت پر غور کرو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ فرما رہے ہیں کہ جو تم کھاتے ہو یا مرتے دم تک کھاؤ گے جو بچاتے ہو یا مرتے دم تک بچاؤ گے۔ میں سب کی خبر دے سکتا ہوں یعنی کھیتوں میں پیدا ہونے والے ہر دانے کو جانتا ہوں کہ اس کو کون کھائے گا۔ اس سے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے علم غیب کی وسعت کا اندازہ لگائیے۔

بیٹا دینا قرآن حکیم فرماتا ہے جب حضرت مریمؑ باپردہ جگہ پر غسل کرنے کی تیاری فرما رہی تھیں تو جبریل امین ان کے ہاں اس حالت میں تشریف لائے۔ حضرت مریم انسانی شکل دیکھ گھبرائیں اس پر جناب جبریل امین نے تسکین دیتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔

میں تمہارے رب کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں پاکیزہ بیٹا دوں۔

اگر بیٹا دینا دلیلِ الوہیت ہوتا تو جبریل امین بھی الٰہ بن جاتے۔

شفا دینا قرآن فرماتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے مہمان بھائیوں سے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب کی خیریت دریافت فرمائی، معلوم ہوا کہ وہ فراق اور جدائی میں روتے روتے بصارت کھو چکے ہیں تو آپ نے فرمایا:۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔

میری یہ قمیص لے جاؤ میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دینا وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھوں اور کوڑھوں کو اچھا کرتا ہوں اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

اگر شفا دینا مدارِ الوہیت ہوتا تو حضرت یوسف اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بھی الٰہ قرار پاتے۔

دُور سے دیکھنا اور سُننا قرآن حکیم فرماتا ہے کہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کو سات دروازوں والی کوٹھری کے اندر لے گئی اور دروازے مقفل کر کے اس نے آپ کو لبھانا چاہا، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام ان سارے واقعات سے خبردار تھے آپ نے کنعان میں بیٹھے ہوئے یہ سب واردات دیکھی اور وہاں پہنچ کر فرزند کی مدد کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ وہ تو قصد کر ہی چکی تھی یوسف علیہ السلام کا، آپ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے

وہ برہان کیا تھی یعقوب علیہ السلام کا سامنے آجانا اور اشارے سے فرزند کو منع کرنا، غور کیجئے کہ یعقوب علیہ السلام نے کنعان مُلک شام کی بستی میں بیٹھ کر افریقہ کے دارالخلافہ مصر میں ہونیوالے واقعہ کو دیکھ لیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق قرآن نے فرمایا کہ آپ جب چیونٹیوں کے جنگل میں سے گزرے تو آپ نے ایک چیونٹی کی آواز کو سُنا جو کہہ رہی تھی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ آگے فرماتا ہے، فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا — اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گُھس جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل دیں آپ اس کی یہ بات سُن کر ہنس پڑے

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ آواز تین میل کے فاصلے سے سُنی۔ اگر دُور سے دیکھنا اور سُننا مدارِ الوہیت ہوتا تو حضرت یعقوب اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھی الٰہ قرار پاتے۔

لطیفہ

موجودہ دَور کے ایک موحد عالم کہیں وعظ کہنے کے لئے تشریف لے گئے اور دورانِ وعظ کلمہ طیبہ کے معنی یوں کئے لا الٰہ نہیں ہے کوئی بیٹا دینے والا نہیں ہے کوئی حاجت روا مشکلکشا نہیں ہے۔ کوئی شفا دینے والا نہیں ہے کوئی گیارھویں والا، اِلّا اللہ، مگر اللہ۔ اتفاقاً بانیٔ جلسہ سُنی تھا۔ اسے وعظ سے تکلیف بھی ہوئی اور حیرت بھی، صبح کو مولوی صاحب کو نذرانہ دینے نہ آیا۔ آخر مولوی صاحب مجبور ہو کر اس کے گھر گئے اور اس سے نذرانہ مانگا اور کرایہ کا مطالبہ کیا وہ کہنے لگے مولوی صاحب رات کا وعظ بھول گئے اور صبح سویرے ہی شرک میں گرفتار ہو گئے۔ لا الٰہ نہیں ہے

کوئی کرایہ دینے والا، نہیں ہے کوئی نذرانہ دینے والا، نہیں ہے کوئی رخصتانہ دینے والا "الا اللہ" مگر اللہ ہی ہے۔ اب مجھ سے کرایہ نہ مانگو، رب تعالےٰ سے مانگو، بہرحال اللہ کے معنی اور ان چیزوں پر الوہیت کا مدار ہونا محض باطل ہے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ ازلی ابدی سمیع و بصیر حاجت روا مشکلکشا شفا اور روزی دینے والا ہے۔ مگران میں سے کوئی چیز بھی عبد اور معبود کے درمیان باعث فرق نہیں، وہ چیز جس کی بناپر بندہ بندہ ہو اور اللہ اللہ وہ ایک چیز ہے یعنی غنیٰ اور بے نیازی۔ بندہ وہ ہے۔ جو نیاز مند ہو، دوسرے کا حاجت مند ہو۔ اور اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو، اللہ وہ ہے جو کسی کا نیاز مند اور حاجت مند نہ ہو۔ سب سے بے پرواہ ہو، خداوندقدوس فرماتا ہے:۔

وَاللّٰہُ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور اللہ جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

کلمہ طیبہ کا دوسرا جزء ہے محمد رسول اللہ اس کے معنی ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ

لفظ محمد کا مادہ حمد ہے یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ یہ حضور علیہ السلام کا ذاتی نام ہے اس کے معنی ہیں بہت زیادہ بار بار حمد کیا ہوا، بے شمار تعریف کیا ہوا۔ مطلقاً سراہا ہوا۔ آسمانوں میں حضور کا ذاتی نام احمد ہے۔ اور زمین پر محمد ہے۔ چاہیئے یہ تھا کہ نام محمد خدا کا ہوتا کہ خدا تعالےٰ کی ہر چیز تعریف کرتی ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ اور ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی تعریف کرنے والی صرف مخلوق ہے ان میں کوئی خالق نہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام کی تعریف کرنے والوں میں خالق کائنات بھی ہے اس لئے حضور علیہ السلام کا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے۔

اَحْمَدُ

لفظ احمد کا مادہ بھی حمد ہے یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی ہیں بہت زیادہ

حمد کرنے والا، حمد کرنے والا ضرور قابل تعریف ہوتا ہے۔ اور جو قابل تعریف ہو وہ یقیناً مستحق حمد کی تعریف کرتا ہے۔ لہٰذا احمد ہونے کے لئے محمد ہونا ضروری ہے۔ اور محمد ہونے کے لئے احمد ہونا لازمی ہے۔

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک بشارت ان الفاظ میں مذکور ہے۔

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔ — میں بشارت دیتا ہوا آیا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ جس کا نام احمد ہے۔

اس مقام پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں چار مقامات میں حضور کا نام محمد آیا ہے۔ اسی طرح اذان نماز کلمہ اور درود شریف سب میں حضور علیہ السلام کا نام مبارک محمد ہی ہے تو ایسی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسمہٗ احمد کی بجائے اسمہٗ محمد کیوں نہیں فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانی الاصل ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کی تخلیق نفخ جبریل علیہ السلام سے ہوئی یعنی جبرائیل علیہ السلام کا نفخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کے حاملہ ہونے کا ذریعہ بنا لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی اصل نفخ جبریل قرار پایا اور نفخ جبریل ذاتِ جبرائیل علیہ السلام سے متعلق ہے۔ اور ذات جبریل علیہ السلام آسمانی ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانی الاصل قرار پائے۔

اور سابقاً مذکور ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نام مبارک احمد آسمانی نام ہے لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام مبارک کے ساتھ بشارت دی تاکہ اس بشارت سے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی الاصل ہونے پر روشنی پڑ جائے تو گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ احمد کے ساتھ بشارت دیکر یہ بتایا کہ میں آسمانی الاصل ہوں اس لئے آسمانی بولی بول رہا ہوں جس جہان کا ہوتا ہے وہیں کی بولی بولتا ہے۔

اب لفظ محمد کی طرف آیئے اور کلمہ طیبہ میں اس کے وارد ہونے پر غور کیجئے، کلمہ طیبہ دراصل دین متین کی بنیاد ہے۔ اسے پیشِ نظر رکھنے سے معلوم ہوگا کہ یہاں لفظ محمد کی حیثیت کس قدر عظیم و جلیل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس کلمہ طیبہ کا جزء اوّل جو توحید اور اللہ کی الوہیت اور معبودیت کے مضمون پر مشتمل ہے بمنزلہ دعوے کے ہے جسے تسلیم کرنے کے لئے ہر انسان دلیل کا محتاج تھا وہ دلیل کلمہ طیبہ کا جزء ثانی محمد رسول اللہ ہے۔ جتنا بڑا دعوے ہوگا۔ دلیل بھی اتنی ہی باعظمت ہوگی۔

ورنہ دعوے کے باطل ہونے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے دعوے کیا کہ میں بہت بڑا جید عالم ہوں لوگ پوچھیں گے کہ آپ کے اس دعوے کی دلیل کیا ہے وہ عالم کہے گا میں نے قرآن کی تفسیر لکھی ہے۔ جس میں میں نے قرآن کے حقائق ورموز بیان کئے ہیں گویا اس عالم نے اپنے دعوے میں اپنی تصنیف قرآن کی تفسیر پیش کرکے اپنے دعوے کو مضبوط کیا۔ اللہ تعالٰے نے اپنے دعوے توحید کی دلیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو پیش کیا، اگر عالم کی تفسیر میں کوئی عیب اور نقص ہوگا۔ تو اس کا اثر دعوے پر پڑے گا، لوگ کہیں گے کہ دعوے تو بہت بڑے عالم ہونے کا کیا تھا لیکن تفسیر میں فلاں فلاں نقص اور عیب ہے۔ اسی طرح اگر حضور کی ذات اور صفات میں کوئی عیب ہوگا، تو دھبہ رب تعالٰے کی ذات پر آئے گا۔ خامیاں اس عالم کی تفسیر میں ہوں گی جو خود عیب والا ہوگا۔ کیوں کہ خدا کی ذات ہر نقص سے پاک ہے۔ لہٰذا اس کی دلیل محمد رسول اللہ بھی ہر عیب سے پاک ہے اگر حضور علیہ السلام کے علم اور کمالات میں کوئی عیب یا کمی ہوگی تو ذاتِ خداوندی کے بے عیب ہونے پر دھبہ آئے گا۔ کیوں حضور علیہ السلام رب تعالٰے کی ذات، علم اور کمالات کے مظہر اتم ہیں جو حضور علیہ السلام کے علم اور کمالات کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالٰے کے کمالات اور علم کا منکر ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ بے عیب ہونا تو شانِ خداوندی ہے۔ لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کو بے عیب مان لیا جائے تو شرک لازم آئے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ خالق ہو کر بے عیب ہے حضور مخلوق ہو کر، اللہ قدیم ہو کر بے عیب ہے اور حضور حادث ہو کر، اللہ خدا ہو کر بے عیب ہے اور حضور مصطفٰے ہو کر بے عیب ہیں۔

حضور نبی کریم کے صحابہ بھی حضور علیہ السلام کو بے عیب مانتے تھے چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالٰے عنہ نے حضور علیہ السلام کی شان میں لکھا ہے۔

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ ۔۔۔ وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً اِمِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔۔۔ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

ترجمہ: یارسول اللہ میری آنکھ نے آپ سا حسین وجمیل اور کوئی نہیں دیکھا کیوں کہ آپ سا حسین وجمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں، آپ تو ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا کہ آپ ایسے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ آپ خود چاہتے تھے۔

معلوم ہوا کہ ہمارا عقیدہ کوئی چودھویں صدی کی پیداوار نہیں، بلکہ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو

حضور علیہ کے نعت خوان صحابی حضرت حسان اور دیگر صحابہ کرام کا عقیدہ تھا۔

اَب سوچنا یہ ہے کہ رسول کون ہوتا ہے۔ اور رسالت کے کیا معنی ہیں۔ اور رسالت کا مدار کس چیز پہ ہے رسالت کے معنی کچھ دے کر کسی کے پاس کچھ دینے کے لئے بھیجنا ہے لہذا رسول کا ترجمہ یہ ہوا کہ کسی کو پیغام رساں اور با اختیار بنا کر بھیجا، رسول کی دو قسمیں ہیں بے اختیار رسول اور با اختیار رسول بے اختیار رسول بعض فرشتے ہیں جن کے سردار حضرت جبرائیل امین ہیں۔ خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ۔ اللہ تعالےٰ ہے فرشتوں کو پر والے رسول بنانیوالا

اور با اختیار رسول حضرات انبیاء کرام ہیں اسکی مثال یوں سمجھے کہ وزیر اعظم کا قانونی حکم بذریعہ ڈاک وزیر اعلیٰ تک بھیجتا ہے تاکہ وہ اسے ملک میں جاری کرا سکے۔ وزیر اعلیٰ رعایا کے سامنے یہ قانونی حکم پیش کر کے اس پر عمل کراتے ہیں، قانون شکنی کرنے والوں کو سزا دیتے ہیں اور بعض وفاداروں کو انعام دیتے ہیں۔

محکمہ ڈاک کا جو ملازم وزیر اعلیٰ کے پاس وہ پیغام لایا اسے بھی پیغام رساں کہیں گے اور وزیر اعلیٰ کو بھی، لیکن ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا۔ کیوں کہ محکمہ ڈاک کا ملازم بے اختیار پیغام رساں ہے کہ وہ کسی کو اس قانون کے توڑنے پر سزا نہیں دے سکتا، لیکن وزیر اعلیٰ با اختیار پیغام رساں ہے۔ کہ اسے وزیر اعظم کی طرف سے بہت سے اختیار حاصل ہیں۔ اوّل الذکر ملازم اور خادم ہے اور آخر الذکر اس ملازم کے بھی مخدوم ہوئے اور رعایا کے بھی۔

اسی طرح پیغام رساں فرشتے انبیاء کرام کے خدام قرار دیے جاتے ہیں۔ کوئی آدمی ان فرشتوں کا امتی نہیں ہوتا، کسی شخص پر ان فرشتوں کے احکام نافذ نہیں ہوتے ان فرشتوں کا نام کلمہ میں نہیں آتا۔ بلکہ وہ فرشتے حضرات انبیاء کرام کے خدام قرار دیے جاتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام خلق کے مخدوم رب تعالےٰ کی طرف سے مقرر کردہ با اختیار بندے ہوتے ہیں۔ اسی لیے قوم انکی امت کہلاتی ہے۔ ان کے نام کا کلمہ پڑھتی ہے ان کے احکام سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام بھی بے اختیار رسول ہوتے تو رسالت جبرائیل اور رسالت محمدی میں کیا فرق ہوتا۔

بخاری اور مسلم شریف کی حدیث ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ایک بار ہم لوگ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا، جس کے کپڑے سفید اور بال کالے تھے اس پر سفر

کے آثار نمایاں نہ تھے۔ وہ حضور علیہ السلام کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے التحیات کی ہیئت میں بیٹھ گیا۔ اس نے حضور علیہ السلام سے پانچ سوالات کئے۔ ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ قیامت کب ہو گی؟ اور علاماتِ قیامت کیا ہیں۔ سرکارِ دوعالم فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جوابات عطا فرمائے، وہ ہر بات پر تصدیق کرتا رہا، پھر چلا گیا، حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

غور فرمائیے جبرائیل امین نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر نہ فرمایا کہ لوگو! میں جبرائیل ہوں مجھ سے مسائل سیکھ لو، بلکہ حضور علیہ السلام کے سامنے شاگردانہ حیثیت سے بیٹھ کر حضور علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے وہ مسائل بیان کرائے آخر کیوں؟ اس لئے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت واجب نہ تھی، بلکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے مؤدب بیٹھ کر بارگاہِ نبوت کا ادب سکھایا اور بتایا کہ میں بھی تمہاری طرح ان کا خادم اور امتی ہوں۔ یہ فرق ہے بااختیار اور بے اختیار رسول میں۔ جو لوگ آج انبیاء کرام کو بندہ مجبور محض بالکل بے اختیار پوسٹ مین (ڈاکیہ) کی طرح صرف پیغام رساں مانتے ہیں، وہ رسالت جبرائیلی اور رسالت محمدی میں کیا فرق کریں گے اور اس صورت میں پھر ان کی اتباع کیوں کر ہو گی۔ اختیارات محمدی کے متعلق ارشادات خداوندی ملاحظہ ہوں۔

١ تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ	آپ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے سے الگ کر دیں۔
مَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ	جب اللہ اور اس کا رسول کسی چیز کا فیصلہ فرما دیں تو کسی مسلمان مرد اور عورت کو اپنے ذاتی معاملات میں اس کے متعلق کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ	اے محبوب تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تمام اختلافات میں حاکم نہ مانیں۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ بمقابلہ شہ رگ کے بھی ہم سے قریب ہے، خود فرماتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔	ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

دنیا میں ہم بھی رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں اور رسول بھی مگر۔

۱ہم دنیا میں اپنے کام کے لئے اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں اور رسول دنیا میں رب تعالیٰ کے کام کے لئے رب کی ذمہ داری پر آتے ہیں، جیسے کسی ملک میں کوئی شخص اپنے کام کے لئے جاتے اور کوئی مملکت کا سفیر بن کر حکومت کے لئے جاتے یقیناً دونوں کے جانے میں فرق ہوگا اس لئے کہ سفیر کے تمام اخراجات اس حکومت کے ذمہ ہوں گے۔ اس کی ہر بات حکومت کی بات ہوگی۔ بخلاف خود اپنی ذمہ داری پر جانے والے کے۔

۲ہم دنیا میں بننے کے لئے آتے ہیں کہ درست عقائد اختیار کر کے مومن بنیں، نیک اعمال کر کے متقی پرہیزگار بنیں، مگر رسول دوسرے کو بنانے آتے ہیں کہ لوگ ان کے ذریعے متقی پرہیزگار بنیں، اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں اور رسول بھی، مگر ہم پار لگنے کے لئے اور رسول پار لگانے کے لئے۔ جیسے جہاز میں مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور کپتان بھی، مگر مسافر جہاز میں پار لگنے کے لئے سوار ہوتے ہیں اور کپتان پار لگانے کے لئے۔ اسی فرق کی بنا پر مسافر کرایہ دیکر سوار ہوتے ہیں اور کپتان تنخواہ لے کر۔

۳ہم لوگ دنیا میں ناسمجھ آتے ہیں یہاں آکر سیکھتے ہیں۔ وہ حضرات سب کچھ رب سے سیکھ کر آتے ہیں اور دوسروں کو سکھانے کے لئے آتے۔ اسی لئے ہم لوگ یہاں کے ماحول کے مطابق بن جاتے ہیں مگر رسول گندے ماحول میں بھی آکر ستھرے رہتے ہیں یعنی ہمیں ماحول بدلتا ہے اور وہ ماحول کو بدلتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ارشاد فرمایا:۔

اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ الخ	مجھے خدا نے کتاب عطا فرمائی مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا۔

اس آیت کریمہ میں سارے صیغے ماضی کے استعمال ہوئے ہیں، مطلب یہ کہ سب کچھ بن کر سیکھ کر یہاں آیا ہوں، یہ ہے رسول کی شان۔ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی عارف کامل رسول ہیں۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کبھی گناہ کے قریب نہ گئے۔

جو لوگ رسول کو اپنی طرح بے خبر بے علم یا نبوت سے قبل گمراہ مانتے ہیں وُہ درحقیقت رسالت کی شان کے منکر ہیں ۔ اگر رسول ہماری طرح اصلاح طلب ہوتے تو انہیں ایک اَور رسول کی ضرورت ہوتی ، جو اُن کی اصلاح کرتا اور جس کی یہ اُمت ہوتے ۔

سب سے بڑا کامیاب شخص وُہ ہے جو پاک ستھرا ہو کر جُو رب کا ذکر کرے لہٰذا نماز کا پابند ہے خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى — بے شک کامیاب ہو گیا وُہ جو پاک وصاف ہوا اور جس نے اپنے رب کا ذکر کیا اور نماز پڑھی ۔

معلوم ہوا کہ پاکیزگی اَور صفائی کامیابی کا پہلا زینہ ہے ۔ اَب سوال یہ ہے کہ پاک کرنے والا کون ہے ۔ تو وہ بھی قرآن نے ہی بتلا دیا کہ :۔

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ — ہمارے نبی ان لوگوں کو پاک وصاف کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں ۔

پتہ چلا کہ پاک ہونے والے ہم ہیں اور پاک کرنے والے حضور ، ہمارے پاس چار چیزیں ہیں جسم ، دماغ ، دِل اَور روح ، حضور علیہ السلام نے بھی ہمیں چار چیزیں عطا فرمائیں ، شریعت جو ہمارے جسم کو پاک کرتی ہے ۔ طریقت جو ہمارے دماغ اَور خیالات کو پاکیزگی بخشتی ہے حقیقت جو دل کو پاک وصاف کرتی ہے ۔ اَور معرفت جو روح کی صفائی کرتی ہے ۔

بہر حال مخلوق کو رسول کی ایسی ہی حاجت ہے جیسے زمین کو پانی کی ، زمین کا کوئی حصہ کسی وقت بارش سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔ ایسے ہی کوئی فرد خواہ کسی درجہ اَور مرتبہ کا ہو ، کسی وقت زندگی موت قبر اور حشر و نشر میں حضور علیہ السلام سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔ اَور جیسے چمن کا ہر برگ و بار گل و خار بارش کا مرہونِ منت ہے ۔ یونہی مخلوق کا ہر کمال بارگاہِ نبوت کا رہین کرم ہے ۔ جو کچھ ملا انہیں کے وسیلے اَور صدقے سے ملا ہے

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی (صلے اللہ علیہ وسلم)

(اعلحضرت علیہ الرحمۃ)

سوال

جب رسول بلا واسطہ رب تعالیٰ سے سب کچھ لے سکتے ہیں تو پھران کے اور رب تعالیٰ کے درمیان جبرائیل امین کا واسطہ کیوں رکھا گیا اور وحی کا سلسلہ کیوں قائم کیا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:۔

نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ حضرت جبرائیل نے یہ قرآن آپ کے دل پر اتارا۔

جواب

وحی کی آمد اور جبرائیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنا قانون کے اجراء کے لئے ہے نہ کہ حضور علیہ السلام کے علم کے لئے۔ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو پہلے ہی سب کچھ سکھا کر بھیجا، مگر قانون الٰہیہ کا بندوں میں اجراء اس وقت ہو گا جب بذریعہ وحی وہ قانون نازل فرمایا جائے گا۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے ہادی ہے۔ یعنی اے محبوب تمہارا ہادی نہیں تم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہو، قرآن نے هُدًى لَّكَ نہ فرمایا۔

۲۔ نزول قرآن کا سلسلہ حضور علیہ السلام کی عمر شریف کے چالیس سال بعد شروع ہوا اگر حضور علیہ السلام کی چالیس سالہ زندگی صدق و امانت راست گفتاری اور پاک بازی کا مرقع تھی، حتیٰ کہ کفار نے آپکو امین اور صادق الوعد کا لقب دیا۔ ؎

سلام اس پر جو آیا صادق الوعد و امیں بن کر
درود اس پر جو آیا رحمۃ للعٰلمین بن کر
حفیظ جالندھری

اگر آپ کی ہدایت نزولِ قرآن پر موقوف ہوتی تو آپکے یہ چالیس سال اپنے ماحول کے مطابق عام اہل عرب کے سے گزرتے احادیث سے ثابت ہے کہ آپ اس مدت میں کبھی کھیل کود شراب، جھوٹ لہو لعب اشغال وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے، کبھی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہ کھایا، بتاؤ یہ ہدایت آپ نے کس فرشتہ یا وحی کے ذریعے حاصل کی تھی۔

۳۔ جب پہلی وحی نازل ہوئی تو اس وقت سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم غار حرا میں چھ ماہ سے اعتکاف نماز سجدہ رکوع وغیرہ عبادات میں مشغول تھے، غور کیجئے کہ اس زمانہ میں حضور علیہ السلام نے یہ عبادتیں کس سے سیکھیں۔

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا تحفہ معراج کی رات لامکاں میں پہنچ کر ملا، معراج کے سویرے فجر کی نماز پڑھائی گئی۔ ظہر کے وقت سے متواتر دو روز تک جبرائیل امین حاضر ہوتے رہے اور حضور کو ہر وقت کی نماز پڑھاتے رہے، تب نماز پنجگانہ جاری کی گئی۔ مگر یہ بھی غور کیا جائے کہ معراج کی رات فرش سے عرش پر جاتے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں سارے انبیاء کرام کو نماز پڑھائی اس طرح کہ آپ امام ہوئے اور سارے انبیاء کرام مقتدی، نماز لینے جا رہے ہیں مگر نماز پڑھا کر جا رہے ہیں اور نماز بھی کن کو پڑھائی ان کو جو اپنی امتوں کو نماز پڑھاتے رہے بتاتے اور سکھاتے رہے اور یہ مسئلہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ نماز کا امام شرعاً وہ ہو سکتا ہے جو تمام مقتدیوں سے زیادہ نماز کے مسائل سے واقف ہو۔

۵ وحی کا بیشتر حصہ وہ ہے جو بلا واسطہ جبریل امین حضور علیہ السلام پر القا ہوتا رہا تھا۔ خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی (القرآن) (معراج کی رات لامکاں میں) رب تعالےٰ نے اپنے نبی کو جو وحی کی سو کی۔

ظاہر ہے کہ اس قرب خاص کے وقت خدا تعالےٰ نے جو حضور علیہ السلام پر وحی کی وہاں جبریل امین کا گمان وخیال بھی نہ پہنچ سکا۔ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

غنچے ما اوحیٰ کے وہ چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

بہرحال یہ ماننا پڑے گا کہ رب العالمین اور اس کے محبوب کے درمیان جناب جبرائیل کی آمد و رفت اور وحی کا سلسلہ اجرائے قوانین کے لئے تھا نہ کہ محض نبی کے علم کیلئے ورنہ جیسے ہم حضور علیہ السلام کے امتی ہیں ویسے آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے امتی ہوتے۔ اور جیسے ہم حضور شافع یوم النشور کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں اسی طرح حضور فخر دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم جبریل امین علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے۔

کلمہ طیبہ نام ہے کلمہ توحید کا۔ اس کے دو جز ہیں لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ پہلے جزو میں توحید کا ذکر ہے دوسرے میں رسالت کا۔ خیال تو کرو کہ نام تو ہے کلمہ توحید اور اس میں ذکر ہے دو کا، معلوم ہوا پہلے جزء میں توحید کے کاغذ کا ذکر ہے اور دوسرے میں اس کی سرکاری

مہر کا، جس سے یہ توحید ایمانی توحید بنی۔ اگر فقط توحید نجات کے لئے کافی ہوتی تو اس کلمہ طیبہ میں یہ دوسرا جزء قطعاً نہ ہوتا۔

مسلمانوں کے علاوہ بہت سے فرقے توحید کے قائل ہیں جیسے سکھ، آریہ وغیرہ۔ لیکن انہیں مسلمان نہیں کہا جاتا اور نہ ان کی نجات ممکن ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ رسالت و نبوت کے منکر ہیں۔ توحید کو نبوت کے شیشے میں دیکھو کعبہ معظمہ کا نظارہ سبز گنبد کی سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کرو۔ تب مومن بنو گے۔

قبر میں ہر مردے سے توحید اور دین کے بعد سوال ہوتا ہے مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ تو اس اکمل شخصیت کے بارے میں کیا کہتا تھا۔۔

اگر فقط عقیدہ توحید کافی ہوتا تو پہلے جواب (ربی اللہ) پر ہی مردہ بخش دیا جاتا۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ صرف عقیدہ توحید مدارِ نجات نہیں بلکہ ایمان پر نجات کا مدار ہے اور ایمان کا مدار نبوت و رسالت ہے۔

کلمہ طیبہ کے چند نکات

کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سات کلمے ہیں اور جہنم کے طبقے بھی سات ہیں، اور ہر طبقہ میں ہزارہا قسم کا عذاب ہے جس نے سچے دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لیا وہ ساتوں طبقوں سے محفوظ ہو گیا۔

سارا کلمہ طیبہ اپنے موجود ہونے میں محتاج ہے حرف اللہ کا اور اللہ اسم مبارک کسی کا محتاج نہیں۔ اگر اللہ کے چار حرفوں میں سے کوئی سا ایک حرف کم کر دیا جائے تو پھر بھی وہ اپنی ذات پر کامل دلالت کرنے والا باقی رہتا ہے۔ مثلاً اللہ کے چار حرفوں میں سے پہلا حرف کم کر دو تو باقی للہ رہ جاتا ہے، وہ بھی پورا اسم ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ — اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اگر دوسرا حرف لام اور کم کر دیا جائے تو صرف لہٗ باقی رہے گا، وہ بھی پورا نام ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ — اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اور اگر تیسرا حروف بھی کم کر دیا جائے تو صرف ہ باقی رہ جائے گا۔ وہ ایک حرف بھی کامل نام مبارک ہے۔ خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے ۔۔

کُلُّ شَیْءٍ ہَالِكٌ اِلَّا وَجْہَهٗ   القرآن   ہر شے فانی ہے وہی ذات باقی ہے۔

پس سارا جہان عرش سے فرش تک اپنے وجود اور ہستی میں خدا کا محتاج ہے۔ صرف اسکی ذات غیر محتاج ہے۔ وہی قائم بالذات ہے۔

لا الٰہ الا اللہ کے بارہ حرف ہیں اور انسان کے جسم میں گناہ کرنے والے اعضاء بھی بارہ ہیں۔ دو پاؤں، دو ہاتھ، دو کان، دو آنکھیں، ایک شرمگاہ، زبان اور دل اور دماغ، تمام گناہوں کی جڑ یہ بارہ اعضاء ہیں جن کے سبب انسان رات دن گناہ کے کالے سمندر میں غرق ہے۔ جس نے تہہ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ ان تمام اعضاء کے گناہوں سے پاک ہو گیا۔

لا الٰہ الا اللہ کے بارہ حرف ہیں اور سال کے مہینے بھی بارہ ہیں جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ سال بھر کے گناہوں سے پاک ہو گیا۔

لا الٰہ الا اللہ کے بارہ حرف ہیں۔ چار حرف اسم ذاتی کے ہیں یعنی اللہ کے جو کہ نہایت عظمت والے ہیں۔ سارا لا الٰہ الا اللہ، اللہ کے چار حرفوں سے بنا ہے اگر اللہ کے چاروں حرف لا الٰہ الا اللہ سے سلب کر لیے جائیں تو کلمہ نادارد ہو جائے اور اگر چاروں حرف کلمہ کو پھر عطا کر دیے جائیں تو پھر سارا کلمہ بن جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل وجود ذات الٰہی کے لئے ہے اور ما سوا اللہ کے سب لاشے ہے۔ اور سب کا وجود ظل ہے وجود ذات الٰہی کا، جب چاہا سایہ ڈال دیا، عالم موجود ہو گیا۔ جب اپنا سایہ اٹھا لیا عالم فنا ہو گیا۔

لا الٰہ الا اللہ کے سارے حرف جوفی ہیں یعنی منہ کے درمیان سے نکلتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب تک کلمہ درمیان قلب سے ادا نہ ہو گا، مقبول نہ ہو گا۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے:۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صَادِقًا مِنْ قَلْبِہٖ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔   یعنی جو تہہ دل سے لا الٰہ الا اللہ کہے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

لا الٰہ الا اللہ کے حرف بے نقطہ ہیں اور نقطہ حرف کے نیچے ہوتا ہے یا حرف کے اوپر۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ ذات عالی مبرا اور پاک ہے اس بات سے کہ زمین کے اوپر سے، زمین کے نیچے

تحت الثریٰ تک یا فرش سے عرش تک اس کا کوئی شریک ہو، وہ اکیلا ہی زمین و آسمان کا خدا ہے۔

جیسے کہ پہلے مذکور ہوا کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔ اب ان دونوں حصوں کی آپس میں مطابقت ملاحظہ کیجئے

لاالٰہ الا اللہ کے بارہ حرف ہیں اور محمد رسول اللہ کے بھی بارہ حرف ہیں۔

لاالٰہ الا اللہ میں اللہ اسم ذاتی ہے جس کے چار حروف ہیں۔ اور محمد رسول اللہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذاتی نام ہے جس کے چار حروف ہیں۔

لاالٰہ الا اللہ بے نقطہ ہے اور محمد رسول اللہ بے نقطہ ہے۔

لاالٰہ الا اللہ میں لفظ اللہ میں دو لام ہیں۔ محمد رسول اللہ میں لفظ محمد میں دو میم اللہ کا دوسرا لام مشدد ہے محمد کی دوسری میم مشدد ہے۔

اس ساری مطابقت سے ثابت ہوا کہ جس طرح اللہ خالق ہونے میں بے مثل ہے اسی طرح حضور مخلوق ہونے میں بے مثل ہیں۔ اللہ تعالیٰ خدائی میں بے مثل ہے اور حضور علیہ السلام مصطفائی میں بے مثل۔ جس طرح خدا بے عیب ہے اس طرح اس نے اپنے محبوب کو بھی بے عیب پیدا کیا۔

دوسری بات جو اس مطابقت سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے محبوب کو اپنے ساتھ ملایا ہے۔ اور حضور کو خدا سے ملانا اور جدا نہ کرنا عین منشائے الٰہی ہے بلکہ ایمان کی جان ہے، اللہ اور رسول کو ملانا اور کفر کی حقیقت ہے اللہ اور رسول میں تفریق کرنا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيدُونَ
أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ
نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ
يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولٰئِكَ هُمُ
الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا
مُهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے اور کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے وہ سزا مہیا کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل و خوار کرنے والی ہے۔ بخلاف اس کے جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں ان کو ہم ضرور ان کے اجر عطا کریں گے۔

اور اللہ بڑا درگذر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ اور رسول کو ملانے کا معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ کو رسول یا رسول کو خدا مان لیا جائے کہ یہ عین شرک ہے بلکہ نبوت کو الوہیت کے ساتھ ایسے ملانا ضروری ہے جیسے لیمپ کی روشنی کے ساتھ چمنی کا رنگ ملا ہوا ہوتا ہے۔ کہ جہاں لیمپ کا نور وہاں چمنی کا رنگ۔ یا جیسے نوٹ کے کاغذ کے ساتھ سرکاری مہر اور تحریر کہ اگر یہ تحریر یا اور مہر مٹا دی جائے تو نوٹ کی کوئی قیمت نہیں رہتی یا قرآن کے کاغذ کے ساتھ نقوش قرآنیہ کا اتصال، کہ اس اصل کی وجہ سے نقوش و کاغذ بلکہ اس کی جلد سب کا یکساں احترام کیا جاتا ہے۔ جنبی نہ قرآن کے نقوش کو چھو سکتا ہے نہ کاغذ نہ اس کی جلد، احترام میں یہ سب برابر ہیں۔ رب تعالیٰ نے کلمہ کے دو جزء کئے لا الٰہ الا اللہ یہ توحید ہے محمد رسول اللہ یہ رسالت ہے۔ مگر پہلے جزء میں اپنا نام اللہ آخر میں رکھا اور دوسرے جزء میں حضور شافع یوم النشور کا نام محمد اوّل رکھا تاکہ ان دونوں ناموں میں لفظوں کا فرق بھی نہ ہو، کوئی لفظ رب اور اس کے محبوب کے درمیان حائل نہ ہو۔ ایمان کا مدار اللہ اور رسول کو ملانے پر ہے اسی لئے اسلام کے تمام فرائض میں سنتیں ایسی ملی ہوئی ہیں جیسے پانی کھانے کے ساتھ۔ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں، نماز روزہ حج زکوٰۃ جہاد غرضیکہ ہر عبادت میں فرض کے ساتھ سنت نظر آئے گی۔

پس ثابت ہوا کہ ایمان کی جان اللہ رسول کو ملانا ہے نہ کہ جدا کرنا ہے

خدا کہتے نہیں بنتی جدا کہتے نہیں بنتی
خدا پر اسکو چھوڑا ہے وہی جانے کہ تم کیا ہو

خود خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے ساتھ ایسا ملایا کہ اپنی ذات و صفات کا مظہر اتم بنا دیا۔

چنانچہ درج ذیل کی آیات اس بات پر شاہد ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ — بیشک اللہ تعالیٰ قوی عزیز ہے۔

اپنے محبوب کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ — البتہ تحقیق تمہارے پاس تمہارے نفسوں میں سے ایک شاندار رسول آیا جو عزیز ہے۔

ان دونوں آیات کو ملانے سے پتہ چلا کہ خدا بھی عزیز ہے اور اس کا محبوب بھی عزیز ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ — اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے رب کریم سے دھوکے

میں ڈال دیا۔

حضور علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا۔

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ — بے شک یہ رسول کریم کی بات ہے۔

ان دونوں آیات کو ملانے سے ثابت ہوا کہ اگر خدا کریم ہے تو اس نے اپنے محبوب کو بھی کریم بنایا ہے۔ اعلیٰحضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہم بھکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں
اور نا کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ — اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ رؤف و رحیم ہے۔

حضور پُرنور علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا۔

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ — وہ رسول تم پر حریص (اور) مومنوں کے ساتھ رؤف و رحیم ہے۔

ان دونوں آیات کو ملانے سے نتیجہ نکلا کہ خدا اور مصطفےٰ دونوں رؤف رحیم ہیں۔

فاضلِ بریلوی قدس العزیز فرماتے ہیں ؎

وہ نامی کہ نامِ خدا نام تیرا
رؤف و رحیم، علیم و علی ہے

اگر اس سلسلہ میں مزید تفصیل درکار ہو تو ہماری کتاب "کتاب التنویر فی خصائص السراج المنیر" کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

بہر حال کلمہ طیبہ کے دونوں اجزا نے ہمیں خدا اور رسول کو ملانے کا درس دیا۔ کیوں کہ توحید و رسالت یعنی خدا اور مصطفےٰ دونوں آپس میں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ دونوں میں سے کسی کو بھی کسی وقت اگر جدا کیا جائے تو ایمان جاتا رہے گا۔ مثلاً اگر کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنا مقصود ہو تو اس کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اکٹھا ہی پڑھایا جاتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اسے یہ کہا جائے کہ لا الٰہ الا اللہ اب پڑھ لو اور محمد رسول اللہ کل، یا تھوڑی دیر کے بعد پڑھ لینا۔ کیوں کہ اگر لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینے کے بعد محمد رسول اللہ کہنے سے پہلے ہی وہ دھر جائے گا۔ تو کافر کا کافر ہی مرے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہاں توحید وہیں رسالت یعنی جہاں

خداوند مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک حدیث میں ہے کہ عرش الہٰی کے سامنے ایک عظیم الشان نور کا ستون ہے۔ جب کوئی دنیا میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ منہ سے نکالتا ہے خود بخود وہ نورانی ستون جنبش میں آجاتا ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ستون ٹھہر جا حرکت نہ کر، ستون عرض کرتا ہے الٰہی جب تک کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی بخشش نہ جائیگی۔ میں اس کی سفارش اور شفاعت میں حرکت کرتا ہی رہوں گا۔ ارشاد ہوتا ہے ہم نے تیرے پڑھنے والے کو بخش دیا، پھر وہ ستون سکون میں آجاتا ہے۔ ۵

حرام اس پہ ہو جائے نارِ جہنم
پڑھے صدق دل سے جو کلمہ تمہارا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے میں ایک یہودی رہتا تھا۔ اس یہودی کا ایک جوان بیٹا حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ ایکدفعہ یہ نوجوان بیمار ہوگیا اور اس پہ نزع کا عالم طاری ہوگیا۔ حضور رحمۃ للعالمین کو خبر ہوئی، تو آپ اسکی عیادت کے لیے تشریف لے گئے آپ نے اس کی آخری حالت دیکھ کر کلمہ تلقین کرنا چاہا۔ وہ لڑکا اپنے باپ کی طرف بغرض مشورہ دیکھنے لگا۔ یہودی نے اپنے بیٹے کو کلمہ کی اجازت دی۔ لڑکے نے آپ کے کہنے سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا۔ اور اسی وقت مر گیا۔ حضور پُر نور علیہ السلام نے خود غسل دیا۔ اپنے ہاتھ سے کفن پہنایا اور اپنے ہاتھ سے دفن کیا۔ جب لوگ جنازہ پڑھ کر چلے اور حضور علیہ السلام بھی جنازے کے ساتھ چلے تو آپ پنجوں کے بل چلتے تھے۔ پورا قدم زمین پر نہیں رکھتے تھے، صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس طرح کیوں چلتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ آسمان سے اس قدر فرشتے آئے ہیں کہ پورا پاؤں رکھنے کو جگہ نہیں، عرض کی گئی یہ فرشتے کیوں آئے ہیں۔ فرمایا اس جوان کے جنازے کو دفن کرنے کے لئے۔ عرض کی گئی اس کو یہ فضیلت کیسے ملی؟ فرمایا کہ اس نے آخری عمر میں کلمہ پڑھا۔ ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے سے اس نے یہ فضیلت پائی ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب ایک یہودی کے بچے نے آخری عمر میں کلمہ پڑھ کر یہ فضیلت حاصل کی تو جو مسلمان ساری عمر کلمہ طیبہ کا ورد کرتا ہے اسے کیا مرتبہ ملے گا۔

فلسفہ نماز

صرف نماز ایک ایسی عبادت ہے۔ جس کا پابند اللہ تعالےٰ نے اپنی ہر مخلوق کو بنا رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ — القرآن — ہر ایک نے جان لیا اپنی نماز اور تسبیح کو۔

اس کلیہ کے عموم میں جمادات، نباتات، حیوانات اور حشرات الارض وغیرہ بھی آجاتے ہیں، ہر ایک چیز کی نماز کی ہیئت اس کی خلقت کے مناسب حال رکھی گئی ہے تاکہ اس کی نماز اس کی قدرتی وضع سے ادا ہوتی رہے مثلاً درختوں میں چلنا پھرنا اور جھکنا وغیرہ نہیں ہے اس لیے درختوں کی نماز صرف قیام ہے۔ یعنی ان کی شکل ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ گویا قیام کی حالت میں نماز ادا کر رہے ہیں اور اپنی نیازمندی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

چوپاؤں کی نماز صرف رکوع ہے۔ یعنی ان کی پیدائشی ہیئت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ہر وقت گویا اللہ تعالےٰ کے سامنے رکوع میں جھکے ہوئے ہیں جس سے ایک لمحہ کے لیے بھی انحراف نہیں کر سکتے۔

حشرات الارض یعنی رینگنے والے اور پیٹ کے بل چلنے والے کیڑوں مکوڑوں کی نماز بحالت سجدہ ہے۔ جیسے سانپ اور دیگر کیڑے مکوڑوں کی پیدائشی ہیئت ہی سجدہ نما بنائی گئی ہے۔ کہ وہ اوندھے اور سرنگوں رہتے ہیں اور گویا سجدوں سے اس کی یاد اور فرمانبرداری میں مصروف ہیں جس سے کسی حال میں بھی انحراف نہیں کر سکتے۔

پہاڑوں کی نماز بحالتِ تشہد وقعود ہے گویا یہ ہر وقت زمین پر دو زانو جمائے بیٹھے ہیں اور ہمہ وقت التحیات میں ہیں ان کی صورت ہی اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ رکوع، سجود اور قیام نہ کریں بلکہ قعود کیا تھ

عبادت میں مصروف رہیں اور جس ہیئت پرانہیں لگادیا گیا ہے۔ لگے رہیں۔

اڑنے والے پرندوں کی نماز انتقالات ہیں کہ نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے منتقل ہوتے رہتے ہیں جیسے انسان قیام سے قعود اور قعود سے قیام کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کے یہ انتقالات بھی عبادت ہی تصور ہوتے ہیں۔ پس یہ پرندے بھی جب اوپر سے نیچے اترتے ہوئے آتے ہیں یا آکر زمین پر ٹھہرتے ہیں تو گویا رکوع میں اور نیچے سے اوپر اٹھتے ہیں تو گویا رکوع سے قومہ اور قیام کی طرف جاتے ہیں اور پر پھیلا کر زمین پر رو ندے پڑجاتے ہیں تو گویا سجود میں ہیں پس ان کی نماز انتقالاتِ محض ہیں نہ یہ مستقلاً رکوع میں ہیں نہ سجود اور قعود میں بلکہ اڑتے ہوئے عروج نزول کرتے رہتے ہیں، اس لیے ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہونا ہی ان کی نماز ہے۔

سیاروں اور آسمان کو دیکھو توان کی نماز دوران اور گردش ہے کہ ہر نقطہ سے گھوم کر اسی نقطہ پر لوٹ آتے ہیں اور پھر وہی سابقہ حرکت شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ ایک نمازی ایک رکعت پڑھ کر پھر پہلی حالت کی طرف لوٹتا ہے اور اسی قسم کے افعال پھر دوسری رکعت میں ادا کرنے لگتا ہے۔ محض ایک رکعت پر یا ایک ہی دور پر قناعت نہیں کرتا۔

زمین کی نماز سکون ہے اور یہ بالکل مبتدیوں کی سی نماز ہے کیوں کہ نماز کی تمام حرکات کی ابتداً سکون ہی سے ہوتی ہے۔ پہلے آدمی ساکن ہوتا ہے پھر حرکت کرتا ہے۔ پس زمین بھی گویا ساکت ہو کر اپنے مرکز پر جمی ہوئی ہے۔ اور یہ جمود و سکون اس کی نماز ہے۔ کیوں کہ یہ انتہائی تذلل اور خشوع ہے۔ جو پوری نماز میں مطلوب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا ۔ وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ذلیل بنایا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ زمین کی نیازمندی اور نماز یہی جمود و سکون اور ذلت ہے۔

جنت و نار کی نماز سوال ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جنت و دوزخ دونوں نے اللہ تعالیٰ سے یہی سوال کیا ہوا ہے کہ قیامت کے دن ہمیں پُر کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اطمینان دلایا ہے کہ قیامت کے دن تمہیں پُر کر دیا جائے گا۔ نار کو کفار سے اور اس کی باقیماندہ جگہ کو پتھروں اور پہاڑوں سے اور پھر بھی خلا رہ جائے گا اور وہ ہل من مزید (ہے کوئی اور) چلائے گی۔ تو حق تعالیٰ اپنے قدم اور ایڑی سے پُر کر دیں گے، جس سے وہ بس بس کہنے لگے گی۔ ادھر جنت جب کہ دنیا کے تمام اطاعت شعار

ایمان والوں سے بھی پُر نہ ہوگی، تو اس کے لیے ایک نئی مخلوق پیدا کر کے اسے بھر دیا جائیگا۔ غرض ان دونوں کی نماز سوال و جواب ہے۔

ملائکہ کی نماز ہے۔ صف بندی یعنی قطار در قطار جمع ہو کر یادِ الٰہی میں مصروف رہنا ہاں اس صف بندی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جتنی ہیئتیں ان جمادات، نباتات، حیوانات اور حشرات الارض کی نمازوں میں رکھی گئی ہیں۔ اتنی ہی سب فرشتوں کی نمازوں میں رکھی گئی ہیں۔ لاکھوں فرشتے ہیں کہ جب سے پیدا ہوئے ہیں قیام ہی میں ہیں اور بس یہی ان کی نماز ہے۔ بے شمار فرشتے رکوع میں ہیں اور یہی ان کی نماز ہے۔ ان گنت فرشتے سجدے میں ہیں اور انہیں صرف سجدہ ہی کی نماز دی گئی ہے۔ لاتعداد قعود میں ہیں اور اسی کو ان کی نماز مانا گیا ہے۔ کتنے ہی فرشتے عروج و نزول اور آسمان و زمین کے درمیان شب و روز اترنے چڑھنے میں مصروف ہیں۔ اور یہی ان کی نماز ہے۔ غرض اس صف بندی میں عبادت کی شانیں مختلف ہیں۔ جو ملائکہ کو دی گئی ہیں۔

غرض جس طرح سے کہ مسلم انسان جامع ادیان تھا تو اس کے لیے نماز بھی ایسی جامع ہونی چاہیے تھی کہ جس میں عبادت کی تمام اقسام جمع ہوں اور نماز کی ہر ممکن سے ممکن صورت موجود ہو اگر نباتات اور درختوں کی عبادت اور نماز قیام تھا تو یہی قیام انسان کی نماز میں بھی ہے۔ اگر حیوانات کی نمازوں میں رکوع و سجود تھا۔ تو مسلمان کی نماز میں بھی رکوع اور سجود ہے۔ اگر پہاڑوں کی نماز میں قعود ملائکہ کی نماز میں صف بندی، زمین کی نماز میں سکون سیارات اور آسمان کی نماز میں دورانِ وگردش اور جنت و نار کی نماز میں سوال و دعا ہے تو انسان کی نماز میں ان چیزوں کی نماز کی ساری حقیقتیں موجود ہیں اور یہ اس لیے کہ اس ساری کائنات کے ذرہ ذرہ پر اسے فائق بنانا تھا۔ تاکہ خلافت الٰہیہ کا شرف سنبھالنے کے قابل ہو اور یہ فوقیت مغز عبدیت کاملہ کے نا ممکن تھی اور عبدیت کاملہ اس کے بغیر نا ممکن تھی کہ عبادت کی عام اقسام اس کی نماز میں موجود ہیں۔ غرض نتیجہ یہ نکلا کہ نماز انسان کو اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ ے

جلوہ ہے خاص رحمتِ حق کا نماز میں
انوارِ قدس کا ہے نظارا نماز میں

مولیٰ سے اپنے ملتا ہے بندہ نماز میں
اُٹھ جاتا ہے جدائی کا پردہ نماز میں

رکھے گا سر بلند انہیں پاک بے نیاز ؎ جنکا سرِ نیاز ہے جھکتا نماز میں

کبر و غرور کا خاتمہ

جب انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ تو اس میں تکبر و غرور پیدا ہو جاتا ہے اس فخر اور ریا کا قدرتی اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی تحقیر اور تنقیص کے درپے ہو جاتا ہے جس سے ان اغیار کا برانگیختہ ہونا قدرتی امر ہے اس کا اثر نفرت اور منافرت باہمی ہے اور منافرت کا طبعی اثر نزاع باہمی اور جدال و قتال، یہ جدال و نزاع پہلے زبان سے ہوتا ہے تو بدگوئی اور سب و شتم کا دروازہ کھلتا ہے جس سے ایک دوسرے کی حق میں غائبانہ بدگوئیوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ جس سے ایک دوسرے کی غیبت، چغلی اور دوسرے مختلف معاصی کا دروازہ کھلتا ہے ان گناہوں سے بڑھ کر کوئی بھی گناہ اخلاق کو بگاڑنے اور گندہ کرنے والا نہیں۔ یہ وہ معاصی ہیں جو انسانی آبرو کو گرانے والے ہیں۔ پھر نزاع آگے بڑھتا ہے تو ہاتھا پائی کی نوبت آتی ہے۔ اور زدوکوب شروع ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ظاہری اعضاء کا یہ انتہائی فساد ہے کہ جیتے ہوتے ہوئے بنی نوع انسان کو کسی وقت بھی امن نہیں ملسکتا، اس سے آگے بڑھے تو اسلحہ اور آلاتِ ضرب و حرب کی نوبت آتی ہے۔ جس سے قتل و غارت نمایاں ہو کر خونریزی سرزد ہوتی ہے جو دنیا کے امن کے لیے انتہائی خطرہ ہے۔

اور پھر یہی خُلق اگر کسی قوم میں اجتماعی طور پر سرایت کر جائے یعنی پوری قوم متکبر ہو جائے تو پھر ایسا قتال رونما ہوتا ہے کہ پورا ملک جنگ کا اکھاڑہ بن جاتا ہے۔ اور اگر اس قوم کا مدمقابل بھی متکبر ہو تو اس سے حسد کی بنیاد پڑتی ہے یعنی اگر کوئی اپنے مدمقابل کو نیچا نہ دکھا سکے تو خود حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے لوگوں کو اس کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ ا کساتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں حاسد کو طرح طرح کی چالاکیاں عیاریاں اور مکاریاں کرتے رہنے مکر و فریب کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور غیظ و غضب میں بے صبری نمایاں ہوتی ہے اور وہ سب کچھ ظاہر ہوتا ہے۔ جو شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں حسد سے کیا، غرض کبر نفس سے بدگوئی، مفاخرت ریاکاری بدخلقی، سب و شتم، غیبت، چغلی بدزبانی، حسد، مکاری، فریب بازی، ایذا دہی، آبروریزی اور انجام کار خونریزی جیسے بُرے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔

یہی تکبر انسان کو دوسروں کے حق کو پامال کرنا ان پر طرح طرح کا ظلم و ستم روا رکھنا ان کی ترقی کے راستے مسدود کر دینا ان کے ساتھ غلاموں اور باندیوں جیسا سلوک کرنا، ان کی املاک کو اپنی ملک سمجھ کر ان میں ہر قسم کا تصرف کرنا۔ مال چھین لینا، عورتوں پر ہاتھ ڈالنا سکھاتا ہے۔

اس صورت میں جاہ کے ساتھ باہ کے جذبات بھی بھڑکتے ہیں اس سے ڈاکہ زنی، چوری، رشوت شہوت، بخل طمع، حرص، لالچ اور جمع اموال کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔

غرض کبر نفس کا آخری اثر ایک طرف خونریزی اور دوسری طرف آخر کار فساد ہے۔ اور یہی وہ دو اصول مفاسد ہیں جن سے فرشتوں نے انسان کو خلافت دیئے جانے سے خوف کھایا تھا۔ اور بکمالِ ادب بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ:۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ۔ — کیا تو زمین میں ایسے (انسان) کو خلیفہ بنائے گا، جو فساد اور خونریزیاں کرے گا۔ (القرآن)

جس سے معلوم ہوا کہ بد امنی فساد اور خون ریزی تمام مفاسد کی جڑ ہے۔ خونریزی جاہ پسندی یعنی کبر نفس سے چلتی ہے اور مظالم باہ پسندی یعنی حرص نفس سے سرزد ہوتے ہیں۔

اب نماز کو دیکھئے تو اس کا ہر ہر رکن اور ہر ہر فعل اس کبر نفس کے لیے تیشہ ہے۔ کیوں کہ اس کی ہر ہر ادا سے نہ صرف ذلت نفس کا اظہار ہی ہوتا ہے بلکہ دل سے باور کرنے کی عادت ڈالتا ہے کہ حق کے سامنے انسان انتہائی پستی میں ہے۔ اسی لیے خاک پر اپنی ناک اور پیشانی اس کے آگے رگڑ رہا ہے۔ پس نماز کبر نفس کو اس طرح مٹاتی ہے۔ جس طرح آفتاب شبنم کو اور نور ظلمت کو۔ اسی لیے قرآن نے نماز کی خاصیت فحش اور منکر ہی کا ختم ہو جانا بتلایا ہے۔ ارشاد حق تعالیٰ ہے۔ کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ — بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ یہ کبر نفس آخر نماز پڑھنے سے زائل کس طرح ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبر نفس جب ہی تک باقی رہ سکتا ہے جب تک اپنے سوا کسی دوسرے کی عظمت دل میں نہ ہو اگر کسی کی عظمت دل میں آجائے تو اس قلب میں کبر و غرور پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ چنانچہ بڑے بڑے نواب بادشاہ کے آگے جاتے ہیں، وہاں اپنے نفس کی بڑائی باقی نہیں رہتی کیوں کہ اپنے سے بڑا سامنے موجود ہے۔ ایک بڑے سے بڑا فاضل اپنے استاد کے سامنے جھک جاتا ہے۔ یہاں اس کے دل میں اپنے علم و فضل کا خیال نہیں گزرتا۔ ایک چپڑاسی تھانیدار کے سامنے، تھانیدار ڈی۔ ایس۔ پی کے سامنے اور یہ ایس۔ پی کے سامنے اور یہ ڈپٹی کمشنر کے سامنے جھک جاتا ہے۔ کہ وہ سامنے ہے جس کی عظمت سے دل لبریز ہے۔ غور کیجئے

کہ جب انسان انسان کے سامنے دوسرے کی عظمت سے جھک کر اپنے کبر و غرور کو پامال کر دیتا ہے۔ حالاں کہ یہ عظیم انسان اسی صغیر انسان جیسا ہے۔ اس کی ذات میں کوئی نادر نادر خوبی نہیں ہے۔ تو پھر اگر وہ ذات پیشِ نظر ہو جائے جو تمام خوبیوں کا مالک، کمالات کا سرچشمہ، بھلائیوں کا مخزن اور تمام اخلاق حسنہ کا منبع ہے۔ بلکہ جہاں بھی خوبی کا کوئی کرشمہ ہے۔ وہ اسی کا ہے۔ تو سوچیے کہ اس کے سامنے کبر و نفس کا کوئی نشان باقی کیسے رہے گا۔

آ پہنچا خاص اپنے شہنشاہ کے حضور

جب بندہ ہاتھ باندھ کے آیا نماز میں

یہ نہیں کہ کبر مغلوب ہو جائے گا، بلکہ جڑ سے کٹ جائے گا۔ اور بے نفسی اور بے لوثی سامنے آکھڑی ہوگی۔ اب غور کیجیے کہ نماز کی ہر ہر ادا سے اور ہر ہر کلمہ سے خدا کی عظمت اس کا علو مراتب اس کی صفت ثنا اس کی تقدیس اس کی تمجید، شان کبریائی رفعت اور بزرگیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ان حالات میں کبر و غرور انسان کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔

مقاماتِ واحوال

نماز کے اس تزکیہ نفس کے بعد قدرتی طور پر خود بخود خیالات پاکیزہ ارفع و اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ جس کا ذریعہ نماز بنتی ہے۔ نماز میں تمام روحانی اور اخلاقی مقامات موجود ہیں جن سے آدمی بلند پایہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً شکر کو لو تو نماز کی روح الحمد ہے، صبر کو لو تو نماز میں ہر ایک لذت سے آدمی صبر کر بیٹھتا ہے۔ کہ نماز کا روزہ دن بھر کے روزے سے زیادہ مکمل ہے۔ اخلاص کو لو تو نماز کا موضوع ہی اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہے۔ جس کی حقیقت ماسوا اللہ سے کٹ کر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ تواضع کو لو تو جہاں ذلتِ نفس سامنے ہو وہاں تواضع کی کیا حقیقت؟ رضا بالقضا کو لو تو جہاں عبادت خالص عمل میں آرہی ہو وہاں رضا اور توکل تو ادنیٰ درجہ ہے۔ سخاوت کو لو تو نفس اپنی ہر لذت نماز میں دے بیٹھتا ہے۔ شجاعت کو لو تو اس میں سخت ترین مقابلہ خود اپنے نفس اور ہوائے نفس سے ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دوسرے سے لڑنا آسان ہے۔ مگر خود اپنے سے لڑنا مشکل ہے۔ صدق و صفا کو لو تو ریاکاری نفاق اور فریب و کذب سے تکبیر تحریمہ ہی کے وقت کانوں پر ہاتھ رکھ لیے جاتے ہیں۔ اور سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر حاضری ہوتی ہے۔

شوق و ذوق کو لو تو جہاں سرچشمہ کمالات و عنایات سامنے ہو اور اسی کی طرف عاشقانہ

دوڑ ہو رہی ہے۔ تو وہاں لذت و شوق اور انس و ذوق کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام میں جو نماز نے خاص جوہر پیدا کیا تھا وہ یہی تھا کہ وہ وقار مجسم بننے کے ساتھ ہی تواضع مجسم اور بے تکلف اخلاق کے مالک بن گئے تھے بڑے سے بڑے کروفر کا وجود انہیں تواضع سے بیگانہ نہ بناتا تھا اور وہ نفسِ انسانی کی اصلیت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت زید بن ثابت ایک دفعہ گھوڑے پر سوار تھے تو عبداللہ ابن عباس نے رکاب تھام کر ان کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیا۔ زید بن ثابت گھبرا گئے اور فرمایا اے ابن عم رسول یہ کیا غضب کر رہے ہو اس پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اپنے علماء کی اسی طرح عظمت کریں۔ اس کے بعد زید بن حارث نے گھوڑا سے اتر کر عبداللہ بن عباس کے پیر پکڑ لیے تو ابن عباس گھبرا گئے اور فرمایا یہ آپ نے کیا کیا! فرمایا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے کہ ہم اہل بیت کی اسی طرح تعظیم و تکریم کریں، ان حضرات کو تواضع کا درس نماز ہی نے دیا تھا۔

وسعت علم و تجربہ

سب سے پہلے نماز نے جو طریقہ تعلیم کیا وہ یہ ہے کہ فرض نمازیں گھروں میں ادا نہ کی جائیں۔ بلکہ مساجد میں حاضر ہو کر یعنی ادائیگی نماز کے لیے سب سے پہلی چیز گھر کی چاردیواری سے باہر ہو جانا ہے۔ گویا نماز نے سب سے پہلے خانگی خلوت توڑ کر ایک انسان کو میدان میں نکالا اور جلوتوں کے ہجوم میں دیکھنا چاہا۔ اس میں راز یہ ہے کہ گھر کی چاردیواری میں رہ کر انسان کا خیال، نگاہ اور ظرف علم سب محدود اور تنگ رہتے ہیں اس کی نگاہ گھر میں رہ کر خانگی امور تک ہی محدود رہتی ہے۔ عام شہر یا قوم سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس لیے نماز نے گھروں سے مساجد کی طرف سفر کرایا کہ انسان کے ظاہر اور باطن میں وسعتیں پیدا ہوں۔ اس کے دل میں صرف اپنا اور اپنے بچوں کا خیال نہ ہو بلکہ بیرونی مجمعوں میں پہنچ کر سب کو دیکھ کر اور سب کی سُن کر اسکا علم اور تجربہ وسیع تر ہو جائے جس سے اس میں عالی حوصلگی کے نورانی آثار نمایاں ہوں ہفتہ بھر تو ایک نمازی کو مسجدِ محلہ کی ہی طرف سفر کرایا لیکن ہفتہ میں جمعہ کا دن رکھ کر اس سفر کو ذرا اور وسعت دی کہ شہر کے لوگ گھروں سے نکل کر ایک ہی جامع مسجد کی طرف سفر کریں اگرچہ انہیں محلہ بھی چھوڑنا پڑے، پھر جمعہ کے فضائل بیان کر کے جامع مسجد کی طرف سفر کی رغبت دلائی۔ پھر اس سفر کو اور وسیع کیا۔ سال بھر میں عیدیں رکھ دیں کہ مسلمان نہ صرف گھر دل

اور محلوں کو چھوڑیں بلکہ شہر کو بھی چھوڑ کر عید گاہ میں جمع ہوں اور پھر آخر میں اس سفر کو اور بھی وسعت دی اور حکم ہوا کہ مسلمان عمر بھر میں ایک دفعہ مسجدِ حرام کی طرف سفر کریں یعنی گھر بھی چھوڑیں محلہ بھی شہر بھی بلکہ صوبہ اور ملک چھوڑیں اور دوسرے ملک میں پہنچ کر مسجدِ حرام کی حاضری دیں تاکہ ان کا دل و دماغ زیادہ وسعت پذیر ہو جائے اور وہ اس طرح کہ وہاں مختلف ممالک کے لوگ حج کے لیے آتے ہیں جن سے مل کر ان کے ملکی حالات طرزِ تمدن تہذیب، اقتصادی حالات طرزِ حکومت اور سیاسی حالات کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

اجتماعیت عامہ

نماز نے دوسرا طریقہ جو تعلیم کیا وہ یہ ہے کہ مسجد میں آکر نماز مل کر پڑھی جائے اور ایک جماعت بن کر فریضۂ نماز جماعتی ہیئت سے پیش کیا جائے، چنانچہ جماعت کے بارے میں قرآن نے ارشاد فرمایا:۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ نمازیوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرو۔

اس سے نماز باجماعت کا وجود اور اس کی تاکید مفہوم ہوتی ہے احادیث میں باجماعت نماز کی فضیلت اور جماعت کے ترک کی مذمت مؤثر پیرایوں میں بیان کی گئی ہے مثلاً کہیں فرمایا گیا جماعت سنن ہدیٰ میں سے ہے۔ اگر تم جماعت چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ رہو گے تو تم منافق ہو جاؤ گے کہیں فرمایا اگر جنگل میں صرف تین آدمی ہوں اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو ضرور ان پر شیطان غالب آجائے گا۔ کہیں جماعت چھوڑنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ بہر حال نماز میں انتشار کو مٹا کر اتحاد و اتفاق کی اشد ضرورت بیان کی گئی ہے۔ اس سے واضح طور پر نماز سے اجتماعیت عامہ کا اصول نکلا۔ پس نماز باجماعت ہمیں دن میں پانچ مرتبہ عملی طور پر بتلاتی ہے کہ جس طرح خدا کے گھر (مسجد) میں تم مل کر اسے یاد کرتے ہو اسی طرح خدا کے بنائے ہوئے اس بڑے گھر (دنیا) میں رہ کر بھی جماعتی زندگی اختیار کرو۔ کیونکہ برکت و خیریت قوت و نصرت حلاوت معاشرت قومی برتری اور فضیلت صرف جماعتی ہی زندگی میں ہے۔ اگر قوم میں جماعت نہیں تو اس کی کوئی بھی فضیلت نہیں۔ پس نماز پوری معاشرتی زندگی کو بھی جماعتی کر لینے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور اس کے ذریعے مل کر کام کرنے کی خوبی پیدا ہوتی ہے کیونکہ تمدن کا دارومدار باہمی تعاون اور مل کر کام کرنے پر ہے اس طرح معاشرے کے تمام شعبوں تجارت، زراعت، ملازمت اور صنعت و حرفت میں ایک دوسرے کا دستِ

بازو اور مددگار بننے میں مدد ملے گی۔

معیارِ اجتماعیت

اب نماز کے اس پہلو پر بھی غور کرو کہ کسی مسجد میں نماز کے لیے جمع ہونے کے لیے ہرگز یہ شرط نہیں کہ وُہ اسی مقام کا باشندہ ہو جہاں مسجد بنی ہوئی ہے بلکہ باہر سے آنے والا ہر مسلمان بھی اپنے پورے حق کے ساتھ شریکِ جماعت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی شرط نہیں کہ وہ اسی قوم کا ایک فرد ہو جو مسجد کا متولی ہے بلکہ ہر قوم و ملت کا ہر آدمی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ یہ بھی شرط نہیں کہ ایک مسجد کے شرکارِ جماعت کسی ایک ہی نسل کے ہوں، بلکہ ہر نسل کا انسان ایک دوسرے کے دوش بدوش شریکِ جماعت ہو سکتا ہے اس سے ثابت ہوُا کہ نماز گویا روزانہ اس اصول کا اعلان کرتی ہے۔ کہ مسلمانوں میں اجتماعیت کا معیار وطن، قومیت نسل، رنگ، خون اور قرابت نہیں بلکہ اسلامیت ہے۔ گویا مسلمانوں کی قوم قوم ہی من حیث المذہب ہے نہ کہ من حیث الوطن یعنی قوم مذہب سے بنتی ہے نہ کہ وطن سے لہٰذا دیوبندی مکتبِ فکر کے مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا یہ کہنا غلط ہے۔ کہ قوم و ملت وطن سے بنتی ہے۔ اس کے اسی غلط نظریے کی طرف علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربیست

علاوہ ازیں جماعت نے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ اللہ کے اس گھر یعنی مسجد میں کسی گورے کو کالے پر عربی کو عجمی پر آقا کو غلام پر شاہ کو گدا پر امیر کو غریب پر اہلِ وطن کو پردیسی پر بڑے کو چھوٹے پر مالک کو مزدور پر زمیندار کو مزارع پر اور رئیس کو مسکین پر کوئی فوقیت حاصل نہیں یہ سب ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

درسِ تنظیم

نماز کے اجتماع میں اجتماعیت کے معنی محض جمع ہو جانے کے نہیں ہیں۔ بلکہ نظم و تنظیم کے ساتھ خاص قسم کے اجتماع ہیں، ورنہ یوں تو مسجد میں جماعت کھڑے ہونے سے پیشتر بھی اجتماع ہوتا ہے کافی بھیڑ ہوتی ہے۔ مگر نہیں کہا جاتا کہ جماعت ہو رہی ہے جب تک کہ اس میں ایک منظم ہیئت پیدا نہ ہو جائے اس نظم کا پہلا رکن اصطفاف یعنی صف بندی ہے۔ جیسا کہ ملائکہ صف بندی کرتے ہیں۔ تاکہ مجمع میں ترتیب قائم ہو کر یکسانی کی صورت نمایاں ہو۔ ورنہ بغیر اس کے نظم جماعت قائم نہیں ہو سکتا چنانچہ حدیث نبوی میں اس حقیقت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضور نبی کریم علیہ السلام ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کرام کو ٹولیوں کی شکل میں دیکھ کر فرمایا کیا بات ہے کہ میں تمہیں منتشر دیکھ رہا ہوں۔ پھر تشریف لائے تو فرمایا! تم صف بندی کیوں نہیں کرتے۔ جیسے کہ فرشتے اپنے پروردگار کے پاس صف بندی کئے رہتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا فرشتے کیسے صف بندی کرتے ہیں۔ فرمایا پہلے اوّلین صفوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور صفوں میں گتھ کر اور مل کر بیٹھتے ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ پہلے تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو متفرق ہو کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ پھر فرمایا کہ محض مل جانا اور جمع ہو جانا کافی نہیں بلکہ اس اجتماع میں ترتیب نظم پیدا کرو۔ یعنی صف بندی کرو۔ پھر محض صف بندی بھی کافی نہیں بلکہ صفوں کا اتمام کرو۔ جب تک صف اوّل مکمل نہ ہو، دوسری صف مت بناؤ۔ کہ آدھی تہائی اور ادھوری صفیں بھی بدنظمی اور بدسلیقگی ہے۔ اور پھر تمام صفوں کا اس طرح مکمل کر لینا کافی نہیں۔ جب تک اس میں گتھ کر کھڑے ہونے کی صورت نہ پیدا ہو۔ یعنی ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے نہ ہوں۔ کیونکہ یہ نظم کے منافی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے سامنے حاضر ہو کر حضورِ قلب

اور خشوع باطن کے ساتھ قرب و نزدیکی کی نیت سے یہ اجتماعیت ہو۔ اس کے بغیر یہ ساری تنظیم محض ایک رسم ہوگی۔ جس میں کوئی بھی حقیقت نہ ہوگی۔ پس نماز فرش مسجد پر ایک ایسا نظام پیش کرتی ہے۔ جس سے مطلع ہو کر نمازی قوم اگر پوری ملت کا نظام پیش کرتی ہے۔ تو باآسانی کر سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ نماز ہمیں ہدایت کرتی ہے۔ کہ میری جیسی تنظیم جو تم مسجد میں آکر کرتے ہو، اپنے گھروں میں اور اپنے ملک میں بھی اختیار کرو۔ تمہاری خانگی زندگی شہری زندگی اور ملکی زندگی میں بھی ایسی ہی تنظیم ہونی چاہیئے۔ تم میں اجتماعیت ہو، تمام مسلمان مل کر ایک ہوں۔ ے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

پوری قوم جسدِ واحد کی مانند ہو۔ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑی ہو۔ جس میں کسی قسم کا کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ پھر صفوف نماز کی طرح اس مسلم جماعت میں بھی جماعتی استقامت ہو۔ یعنی دلوں میں کجی، خیالات میں تزاحم اور تخالف نہ ہو۔

نماز اور مرکزیت

نماز نے منتشر افراد کو جمع کر کے ایک پہلو یہ بھی اختیار کیا کہ ان جمع شدہ افراد کے آگے ایک فردِ واحد کو بنام امام آگے بڑھا کر ساری قوم کو اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ جس سے ایک اصول یہ نکلا کہ جماعت کی شیرازہ بندی اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی۔ جب تک اس جماعت کا کوئی امام نہ ہوگا۔ گویا نماز نے یہ ہدایت کی کہ مسلمانوں کی جماعت کتنی ہی خوبصورت تنظیم کی رسم پیدا کرے وہ اس وقت تک جماعت نہیں کہلا سکتی جب تک کہ اس کے لیے کوئی امیر اور امام منتخب نہ کیا جائے، جو سب کو ایک خاص لائن پر چلائے اور ان کی نگرانی کرے۔ علاوہ ازیں امام کے بغیر ایک جماعتی نظم ہی نہیں باہمی ربط بھی قائم نہیں ہو سکتا جو نظم کی روح بھی ہے۔ جس طرح ایک اُستاد کے چند شاگرد اُستاد سے بھی اور باہم بھی مربوط ہوتے ہیں کیوں کہ اُستاد ان کی معنوی اصل ہے۔ ایک پیر کے چند مرید پیر سے بھی اور آپس میں بھی متحد ہوتے ہیں۔ کہ پیر ان کی معنویت کی اصل ہے۔ اسی طرح امام تمام مقتدیوں کی نماز کی اصل ہے۔ تو اس اصول کے تحت لازمی ہے کہ مقتدیوں کا امام سے اور بواسطہ امام آپس میں بھی ایک رابطۂ اخلاص واتحاد ہو۔

امامت کا یہ اصول جو اس امامتِ صغریٰ میں بتایا گیا ہے۔ بعینہٖ امامتِ کبریٰ کی بھی روح

ہے۔ امام المسلمین یا امیر المومنین تمام مسلمانوں کی ایک اصل کل ہے۔ اور بمنزلہ مربی یا شیخ یا بمنزلہ باپ کے ہے۔ جو ان کی علمی دُنیا سیاسی اور اخلاقی تربیت کا ذمہ دار ہے۔ کیوں کہ وُہ خلیفہ الٰہی اور خلیفہ رسالت پناہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ — میں تمہارے لیے بمنزلہ (روحانی) باپ کے ہوں۔

اس لیے لازم ہے کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمان اس امیر عامہ سے مربوط ہوں۔ تاکہ اسی ربط کی قدر کرتے ہوئے وہ باہم بھی مربوط ہو جائیں۔

امیر کے شرعی اوصاف حدیث میں وارد ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔ تمہارے امیر بہترین وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو۔ اور وُہ تم سے۔ تم انہیں شفقت سے یاد کرو اور وہ تمہیں۔ اور تمہارے بدترین امراء وُہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو اور وُہ تم سے، تم ان پر لعنت بھیجو۔ اور وُہ تم پر۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم ایسے امراء کو چھوڑ نہ دیں۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ جب تک کہ وُہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔ لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ جو شخص کسی پر والی یعنی امیر بنایا جائے اور وُہ امیر میں کسی معصیت کا مشاہدہ کرے تو اس گناہ کو تو بُرا سمجھتا رہے۔ مگر امیر کی اطاعت سے منہ نہ موڑے۔

اس حدیث سے جہاں امام کے اوصاف واضح ہوئے کہ وُہ اپنے ماموریں کا محب ہو یعنی اخلاق ربانی رکھتا ہو۔ اور معصیت کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ وہاں مقتدیوں اور رعایا کی شرط بھی واضح ہو گئی کہ وہ بہر حال محب امیر اور بااخلاق بن کر اس کی اطاعت کریں۔ اور جب تک امیر اقامت دین کرتا رہے۔ یعنی رعایا کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتا رہے اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہو۔ پس جو اصول نماز نے اپنی امامت میں بتلایا ہے وہی امامت کبریٰ کے لیے بھی ناگزیر نکلا یعنی امام اور امیر المومنین کا خلیق و متواضع اور ساتھ ہی جہات دین سے باخبر ہونا۔

اس کے بعد نماز نے امامت کے سلسلے میں شرائط امام کے متعلق ایک اور پہلو پیش کیا اور وُہ یہ کہ امام کی نماز کے لیے کسی حد تک امتیازی شان بھی ہونی چاہیئے تاکہ مقتدیوں پر امام کو کوئی نہ کوئی فوقیت اور برتری حاصل رہے۔ جس کے سبب مقتدیوں کو اس کی اقتداء میں عار نہ پیدا ہو۔ اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قوم کا امام وُہ ہو جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہُوا ہو۔ اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو پھر امامت وہ کرے جو عالم سنت ہے۔ آگے اسی اصول پر فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں بھی سب برابر ہوں تو جو نسب میں اعلیٰ ہو اور اگر نسب میں بھی برابر ہوں تو حسن و جمال میں جو سب سے بہتر ہو۔

غور کر دیہی اصولِ حیات اجتماعی زندگی کی بھی روح ہے ۔ اور اس کے بغیر سیاسی اور ملکی زندگی میں کوئی نظم قائم نہیں رہ سکتا ، یعنی امامت کبریٰ کے سلسلے میں بھی امیر میں کچھ اوصافِ امتیازی ہونے چاہئیں تاکہ لوگ اس کے سامنے گردنِ اطاعت خم کر سکیں ۔ قرآن نے ان اوصاف میں سے دو کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں کہ :۔

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۔ یعنی جسمانی قوت اور روحانی علم و معرفت میں امتیازی شان رکھتا ہو ۔

جو حاکم ، سلطان ، فرماں روا اور امیر شریعت پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں سے عمل کرائے ایسے امیر کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔

مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ ۔ جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۔

جو شریعت کی مخالفت کرے اس کی اطاعت سے انحراف جائز ہے اور جو کفرِ صریح کا ارتکاب کرے اس سے انحراف واجب ہے ۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے ۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ ۔ خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ۔

بہرحال جماعت بغیر مرکزیت نہیں ہو سکتی اور مرکزیت بغیر انتخاب امیر اور نصب امام کے ناممکن ہے ۔ اور یہ سب اصول نماز نے قائم کر دیے ہیں ۔

اس کے بعد نماز نے ایک اور پہلو پیش کیا اور وہ یہ کہ نماز میں اسی مرکزِ جماعت امام کو مطاع تو اس درجہ میں مانا گیا کہ اس کی ایک آواز پر جماعت کے لاکھوں افراد جھک جائیں جو وہ کرے سب وہی کرنے لگیں اور جو وہ کہے سب وہی کہنے لگیں ، حدیث پاک میں آتا ہے ۔ کہ

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا ۔ امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو ، وہ سجدہ کرے تو تم سجدوں میں چلے جاؤ ۔

غرض اس کے ایک اشارہ پر لاکھوں گردنیں خم ہو جائیں اور اس کی ایک حرکت پر لاکھوں بدن

حرکت میں آجائیں، کسی ایک مقتدی کی مجال نہیں کہ امام سے انحراف کر سکے ورنہ نماز نہیں ہو گی، لیکن ساتھ ہی امام کو استبداد سے بھی روکا گیا اور وہ اس طرح کہ اگر امام کسی رکن نماز میں کوئی غلطی کرے تو جس مقتدی کو وہ غلطی معلوم ہو جائے اس کا فرض ہے کہ امام کو ٹوکے اور غلطی پر اسے متنبہ کرے۔ مثلاً امام قرأت میں غلطی کر جائے تو مقتدی اسے لقمہ دیں اور اگر ارکان و افعال نماز میں کوئی غلطی یا سہو کرے تو فوراً پیچھے سے سبحان اللہ وغیرہ پکار کر اسے متنبہ کرے اور امام کا فرض ہے کہ قوم کی اس تنبیہ پر غلطی کو تسلیم کرے اور عملاً اس کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ سہو میں جھک جائے یہ عملی طور پر اپنی خطا کا اعتراف بھی ہے اور تدارک بھی۔ اس سے یہ اصول نکلا کہ امام میں استقلال تو اتنا ہونا چاہیئے کہ اس کے اشاروں پر صفوں کی صفیں جھک جائیں مگر ساتھ ہی قوم کا وقار اتنا بلند ہونا چاہیئے کہ امام کی غلطی دیکھ کر اعتراض سے چشم پوشی نہ کرے۔ نماز نے اس اصول پر قائم کر کے ملت کو متنبہ کیا کہ جماعت کبرٰی اور ملتِ مسلمہ کا نظام بھی اسی اصول پر قائم ہے کہ امت کا امیر اور امام مطاع تو اتنا ہو کہ اس کے اشاروں پر پوری امت حرکت میں آجائے اور کسی طرح جائز نہ ہو کہ اطاعت کے دائرے سے باہر نکلے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا۔

اگر تم پر کسی ہاتھ پیر بہے ہوئے ناکارہ غلام کو بھی امیر بنا دیا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کی طرف بلائے تو اس کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

مگر ساتھ ہی قوم کی عظمت و شان بھی ایسی ہو کہ امام میں استبداد کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے اسے کوئی حق نہ ہو کہ قوم کو جس راہ اس کا جی چاہے چلا سکے، کیوں کہ جس کا وہ خلیفہ اور نائب ہے۔ اسی کے قانون اور بتائے ہوئے راستہ پر قوم کو چلانیکا ذمہ دار ہے۔ اس کا فرض ہے کہ قانونِ الٰہی کے تحت احکام جاری کرائے اور قوم کے لیے امام پر تنقید اور اسے روک ٹوک اور نصیحت کا حق حاصل ہے۔ فاروقِ اعظم نے ممبر پر فرمایا اگر میں حکم دوں تو کیا تم اطاعت کرو گے سب نے کہا کریں گے، پھر آپ نے فرمایا اگر میں کتاب اللہ کے خلاف حکم کروں تو کیا پھر بھی اطاعت کرو گے۔ اس پر لوگوں نے کہا اگر ایسا ہوا تو ہم تنکلے کی طرح تلوار سے تمہارے بل سیدھے کر دیں گے۔ پس امام کی اطاعت بھی واجب کر دی، جبکہ وہ راہِ راست پہ چلے اور اس کی اصلاح بھی قوم پر واجب کر دی، جبکہ وہ بے راہروی پر اتر آئے، کیونکہ اس کے بغیر جماعت کا نظام حق و صداقت پر قائم نہیں رہ سکتا۔

اس کے بعد نماز نے ایک اور اصولی راستہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ اگر قوم کے متنبہ کرنے پر امام اپنی غلطی کو تسلیم کرے اور تدارک کی طرف رجوع کرے یعنی سجدہ سہو کرے تو پھر قوم کا بھی فریضہ ہے کہ اس غلطی تک

امام کا ساتھ دے اور اس کے تدارک میں بھی اتباع کرے ۔ گویا قوم اپنے عمل سے اعلان کرے کہ چونکہ امام نے غلطی کا اعتراف کر لیا ہے ۔ لہٰذا ہم سب اس کے اس مخلصانہ رجوع کے سبب اس کے ساتھی اور حامی ہیں۔

نماز نے ہمیں یہ بتلایا کہ یہی صورت امامت کبریٰ میں بھی ہونی چاہیئے کہ اگر امام یا حاکم وقت کوئی غلطی کرے اور قوم اس غلطی پر اسے متنبہ کرے تو امیر کا فرض ہے کہ اپنی اصلاح کرتے ہوئے اس غلطی کا تدارک کرے اور جب وہ تدارک کرے تو قوم اس کو تنہا نہ چھوڑے بلکہ اس کا ساتھ دے اور اطاعت میں فرق نہ آنے دے ۔ اگر قوم مطلقاً امیر کی مطیع بن جائے ، خواہ وہ برا کرے یا بھلا تو یہ تمام ملت کی تباہی ہے اور اگر ذرا ذرا سی بات پر امیر کی اطاعت چھوڑنے پر آمادہ رہے تو یہ ملک کی تباہی کا پیش خیمہ ہے ۔

اسی کے ساتھ نماز نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ امام نماز کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ وہ تمام مقتدیوں کو خدا کے سامنے لے جا کر جھکا دے اور انہیں تضرع اور زاری کے مقام پر لا کر کھڑا کرے ، دوسرا یہ کہ کلمات ربانی بآواز بلند سب کو سنا دے اور اعلاء کلمۃ اللہ سے سب کے کان کھٹکھٹائے ، قرأت یعنی ارشادات الٰہی اور ان کی معنوی ہدایت مقتدیوں کے کان تک پہنچائے ۔

اس سے نماز نے رہنمائی کی کہ امامت کبریٰ نظم ملت میں بھی امیر قوم کا یہ وظیفہ نہ ہونا چاہیئے کہ وہ قوم کو عیش و عشرت کے مرض میں مبتلا کرے یا امارت کو اپنے لیے ذریعہ جاہ اور رفاہ بنائے بلکہ اس کا اولین اور آخرین فریضہ اعلاء کلمۃ اللہ اور خدا کے نام کی منادی عالم میں کرنی ہے ۔ نیز اس کے بندوں کو اس کی بارگاہ تک پہنچانے کے لیے انہیں نصیحت کرنا ہے ، انہیں معروف اور نیکیوں کا حکم دینا ہے ، بدی سے باز رکھنا ہے ۔ تاکہ دنیا میں خدا کا نام اور اس کا قانون عام رائج ہو ۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔

وہ لوگ کہ اگر قدرت دیں ہم ان کو زمین میں تو وہ قائم رکھیں نماز کو اور ادا کریں زکوٰۃ کو اور حکم کریں بھلائی کا اور منع کریں نامعقول باتوں سے اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ۔

غرض نماز نے جماعتی زندگی ، امامت و امارت رعیت کے فرائض اور زندگی کے دوسرے لوازم پر ایسی روشنی ڈالی کہ اگر امیر قوم یا حاکم وقت صرف نماز ہی کو سامنے رکھ کر امارت شرعیہ کے اصول وضع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے ۔

درسِ جہاد

ایک حقانی اور راست باز کے دو ہی قسم کے دشمن ہیں۔ جو اُسے راہِ حق سے ہٹاتے ہیں۔ ایک ظاہری دشمن جیسے کفار و فجار اور دوسرے باطنی دشمن جیسے شیاطین۔ مگر شیاطین دو قسم کے ہیں ایک بصورت انسان جو نوعِ انسانی میں سے ہیں۔ اور دوسرے جنات جو نوعِ شیطان میں سے ہیں۔ قرآن نے ان دونوں قسم کے شیاطین کی طرف مِنَ الجنۃ وَالناس کہہ کر اشارہ کر دیا۔ یہ دونوں قسم کے شیطان ایک منٹ کے لیے بھی گوارہ نہیں کر سکتے کہ دنیا میں کوئی بندہ اللہ تعالےٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے۔ شیاطین جن مخفی دشمن ہیں۔ وُہ انسان کو ذکرِ حق سے طرح طرح سے روکتے ہیں خصوصًا نماز جیسی عبادت میں تو ان کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ اس رابطہ کو ختم کر دیں، جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان نماز نے قائم کیا ہے۔ شیاطین کا ایک گروہ مستقل وضو کے وقت سے انسان کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ وضو میں وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا نام وَلہان ہے۔ اور نماز خراب کرنے والے شیطان کا نام خنزب ہے۔ خدا کو ہی معلوم کہ کتنے وَلہان اور کتنے خنزب پرے باندھ کر نمازی انسانوں پر حملہ آور ہوتے ہوں گے۔ کہ ان کو قربِ الہٰی سے باہر نکال دیں۔ پس معلوم ہوا کہ نماز میں مقابلہ ان دشمنانِ مخفی سے ہوتا ہے اور نماز فی الحقیقت ایک معنوی جہاد ہے۔ جو شیاطین اور ان کی اندرونی فتنہ پردازیوں کو روکنے کے لیے رکھا گیا ہے۔ نماز کے اوقات شروع ہوتے ہی شیاطین ہجوم شروع کر کے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے نماز کے شروع میں اذان رکھی گئی۔ اذان کے وقت شیطان آتا ہے۔ لیکن اذان کی آواز سن کر چھتیس ۳۶ میل دُور بھاگ جاتا ہے۔ تو گویا اذان اللہ کے سپاہی نمازی کا وہ اسلحہ ہے۔ جس سے وُہ اپنے دشمن کو مار بھگاتا ہے۔ پھر جب نماز شروع ہوتی ہے۔ تو کبھی نمازی کے دل میں وسوسہ ڈال دیا، کبھی قرأت میں شک ڈال دیا، کبھی رکوع و سجود میں شبہ پیدا کر دیا۔ بہر حال اوّل سے آخر تک شیطان سعی کرتا ہے۔ کہ پورا مقابلہ کر کے نمازی کو راہِ حق سے ہٹا دے۔ اس لیے بندوں کو بھی متنبہ کیا گیا کہ وہ بھی شیطان کا مقابلہ پوری طرح کریں۔ صف بندی کر کے اجتماعی ضرب و حرب کے لیے مسلح ہو جائیں تاکہ دشمنِ انسانیت شیطان کی کمر ٹوٹ جائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ نماز شیطان کو روسیاہ کرتی ہے۔ اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے۔

شیطان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نماز نے جو سب سے بڑا ہتھیار دیا وُہ تعوذ ہے۔ کہ اس کے پڑھنے سے نمازی اپنے اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے۔ شیطان ہمیشہ انسان کی گھات میں لگا رہتا ہے

وُہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم اسے نہیں دیکھ رہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ وُہ شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے۔ کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔

اس حالت میں سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم ایک ایسی ذات کی پناہ لیں جو اسے بھی دیکھتی ہو اور ہمیں بھی، اس لیے آغازِ قرأۃ قرآن میں اعوذ پڑھی جاتی ہے گویا شیطان کے مقابلے میں تعوذ کا ہتھیار سنبھال لیا جاتا ہے۔ نماز کے اس طرزِ عمل نے بتلایا کہ دشمن کی حملہ آوری سے پہلے ہی مدافعت کا بندوبست کر دو۔ دشمن تمہارے مورچوں میں شگاف بھی ڈالے گا۔ جیسے شیطان صفوں کے بیچ گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو خوب گتھ کر صف بندی کرو۔ دشمن پروپیگنڈا کر کے تمہارے خیالات کو تبدیل کرے گا۔ جیسے شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ نماز نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ جیسا دشمن ہو ویسے ہی اسلحہ بھی فراہم کیا جائے اور ویسی ہی بچاؤ کی تدابیر اختیار کی جائیں، جس طرح نماز میں تعوذ پڑھ کر دشمنِ انسانیت شیطان کو شکست فاش دینے کا اسلحہ فراہم کر لیا گیا۔ اسی طرح ملکی دشمن کے حملے سے پہلے ہی اپنی بری بحری اور ہوائی فوجوں کو جدید اسلحہ سے اس طرح لیس کر لو کہ دشمن تمہارے مقابلے کی ہمت نہ کر سکے اور وہ اپنے ناپاک منصوبوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

غرض نماز کے ایک ایک اصول نے جہاد کے جنگی اصولوں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ پس نماز کا ہر ہر جزو گویا جہاد کا ایک ایک پہلو ہے۔ نماز کی جماعت کا اگر امام ہے تو جہاد میں بھی امام یعنی سپہ سالار ہے۔ جماعت کی نماز میں اگر صف بندی ہے تو جہاد میں بھی صف بندی ہے۔ پھر نماز کی صفوں میں سب سے اعلیٰ پہلی صف ہے تو جہاد کی صفوں میں بھی سب سے اعلیٰ صف اگلی صف ہے۔ جو سب سے پہلی گولی اپنے سینے میں لیتی ہے۔ پھر نماز کی صفوں میں اگر یمین و یسار ہے۔ تو جہاد کی صفوں میں بھی میمنہ اور میسرہ ہے۔ نماز میں یمین و یسار کے درمیان صفِ اول کا وہ مقتدی جو امام سے قریب ہے۔ اور اس کا محاذی ہے۔ بمنزلہ قلب کے ہے تو جہاد میں بھی یمین و یسار کے درمیان لشکرِ قلب ہے۔ پھر نماز میں اگر گتھ کر کھڑے ہونے کا حکم ہے تو جہاد کی صفوں کا بھی یہی حکم ہے۔ تاکہ صفوں میں کوئی رخنہ نہ پڑے اور دشمن درمیان میں گھس کر کسی مورچہ کو کمزور نہ کر دے، پھر اگر نماز کی صفوں کے آداب ہیں کہ اِدھر اُدھر مت دیکھو، صرف سجدہ گاہ پر نظر رہے۔ آسمان کی طرف مت دیکھو، جانوروں کی ہیئت مت اختیار کرو۔ ٹھیک اسی اصول پر جہاد کی صفوفِ عسکری کے قواعد رکھے گئے ہیں۔ اِدھر اُدھر التفات نہ کرو۔ بلکہ نگاہ دشمن کی نقل و حرکت پر رہو۔ پوری فوج ایک دیوار نظر آئے۔ سب کا ایک فعل ہو، ایک ساتھ سب کا ہاتھ

اسلحہ پر پڑے، یکبارگی سب کا حملہ ہو، پھر جیسے نماز میں امام کی آواز پر رکوع سجود کی طرف انتقالات ہوتے ہیں۔ اسی اصول پر جہاد میں بھی سپہ سالار کے اشاروں پر فوج نقل و حرکت کرتی ہے۔ پھر جیسے نماز کا شعار نعرۂ تکبیر ہے کہ نماز کے سارے انتقالات اسی نعرہ سے ہوتے ہیں، ایسے ہی جہاد میں بھی نعرۂ تکبیر ہی شعار بنایا گیا ہے۔ جس طرح نماز میں تکبیر سے شیطان بھاگ جاتے ہیں۔ حتّٰی کہ اذان میں جب اللہ اکبر کہا جاتا ہے تو شیطان میلوں بھاگتا چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی جہاد میں نعرۂ تکبیر سے کفّار کے دِل لرز جاتے ہیں اور وُہ بھی میدان چھوڑ کر بھاگنے لگتے ہیں۔ بشرطیکہ نعرہ قلوب کی گہرائیوں سے لگایا جائے۔ پھر جو آثار نماز کے اہتمام پر مرتب ہوتے ہیں وہی جہاد پر بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ نمازیوں کی صف آرائی کے وقت حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ دیکھو میرے بندے کس طرح اپنے عیش و آرام کو چھوڑ کر میرے گھر کی طرف دوڑ رہے ہیں اور میرے دشمن شیطان کو مار بھگانے کے لیے آمادہ ہیں۔ اسی طرح بنص حدیث مجاہدین کی صف بندی کے وقت بھی حق تعالےٰ کو ہنسی آتی ہے۔ کہ دیکھو میرے بندے کس طرح سروں کو ہتھیلی پر لیے ہوئے میری راہ میں جان دینے کے لیے آرہے ہیں۔ پھر جیسے نماز کی جماعت اور شیاطین کی اجتماعی مدافعت گھروں میں نہیں رکھی گئی بلکہ اس کے لیے مخصوص مکانات ہیں جنہیں مساجد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جہاد گھروں کے کونوں میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے مخصوص میدان ہوتے ہیں۔ جن میں یہ اجتماعی مقابلے عمل میں آتے ہیں۔ پھر جیسے نماز کے اختتام پر اوراد و اذکار اور تسبیح و تہلیل رکھی گئی ہے۔ جو مثل غنیمت ہے کہ اصل نماز کا ثواب لینے کے بعد یہ فاضل فوائد اور برکتیں ہیں اسی طرح جہاد کے اختتام پر مالِ غنیمت تقسیم ہوتا ہے۔ جو جہاد کے ثواب کے علاوہ مادی فائدہ ہے۔ پھر جیسے نماز کی ابتداء سے لے کر انتہا تک گناہ کے ختم ہونے کی صورتیں رکھی گئی ہیں تاکہ بندہ کے گناہ بھی معاف ہوتے رہیں۔ جس سے وُہ مسرور ہو کر بار بار اس عبادت کو شوق کے ساتھ ادا کرتا رہے۔ مثلاً وضو میں ایک ایک عضو دھونے سے اس کے کئے ہوئے گناہ جھڑتے ہیں۔ نیز عین نماز میں بنص حدیث نمازی جب رکوع میں جاتا ہے تو اس کے کندھوں پر اس کے گناہوں کو لاد دیتے ہیں۔ اور جب وُہ رکوع سے کھڑا ہو کر سجدہ میں جاتا ہے۔ تو گناہ خشک پتوں کی طرح گرنے اور بکھرنے شروع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جہاد کے بارے میں فرمایا گیا، السَّیْفُ مَحَّاءٌ لِلذُّنُوْبِ یعنی تلوار گناہوں کو بہت مٹانے والی ہے۔ خون کے ایک ایک قطرے کے ساتھ آدمی کا نفس دُھل جاتا ہے۔ غرض نماز اور جہاد میں مشابہتوں کا ایک عظیم غیر منتہٰی سلسلہ ہے۔ اور نماز دن میں پانچ مرتبہ انسان کی جنگی جذبے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور جنگ کے آداب و قواعد سکھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز میں جنگی ترتیبات سوچ لیا کرتے ہیں۔

انضباط اوقات

کاموں کو ہمیشہ چلاتے رہنے کا راز انضباط اوقات میں مضمر ہے۔ یعنی اوقات مقرر کردینے سے تمام کام ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کے کاموں کا کوئی وقت ہی مقرر نہیں ہے۔ جب جی میں آیا کرلیا جب یا د آیا انجام دے لیا نہ وقت مقرر نہ جگہ معین تو قدرتی بات ہے۔ کہ کاموں میں ناغہ بکثرت ہوگا۔ اور ناغہ کی خاصیت ہے۔ کہ بالآخر کام رہ جائے گا۔ اور جب کام اپنے وقت سے ٹلا تو طبعاً دوسرے کاموں پر اثر پڑیگا۔ اور نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ ایسے شخص کے سارے کاموں کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ اور جہاں یہ عملی زندگی منتشر ہوئی وہیں اسکا اثر یہ ہوا کہ حالت کمزور ہوئی اور قلب کا سکون و اطمینان جاتا رہا۔ کہ ضبط اوقات اور نظام عمل کی برکت یہ ہے کہ ہر ایک کام اپنی اپنی جگہ بروقت گویا خود بخود انجام پاتے رہنے سے قلب کو تسکین اور بشاشت و طمانیت حاصل رہتی ہے۔ اب سمجھو کہ نماز کے بارے میں حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ نماز مومنوں پر ایک بارقت فریضہ ہے۔

نماز وقت کی عبادت ہے۔ جس کے لیے زمانہ بھی متعین ہے۔ اور مکان یعنی مسجد بھی مقرر۔ جب ایک شخص کے مہم اوقات بحد حقیقت رات دن میں صرف اوقاتِ نماز ہی ہیں، نماز میں مصروف ہوگئے تو علاوہ اس کے کہ اُسے پابندیٔ اوقات کی عادت پڑے گی۔ قدرتی طور پر نمازوں کے درمیانی اوقات کے کام بھی خود بخود متعین اور منضبط ہو جائیں گے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ درمیانی کام نیکیوں ہی کے متعین ہوں گے، بدیوں کے نہیں کیوں کہ دو نمازیں نمازی کے قلب کو اس درمیانی فاصلہ کے لیے اتنا منور اور متاثر کردیتی ہیں کہ اس کی اندرونی رہنمائی عموماً نیک ہی کاموں کی طرف ہوسکتی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ توقیت نماز سے عین نمازوں ہی کے اوقات نہیں بلکہ نمازوں کے درمیانی اوقات میں بھی انضباط پیدا ہوجانا ضروری ہے۔ اور یہ کہ یہ اوقات نیکیوں سے ہی بھرپور رہیں گے۔ جس سے واضح ہوا کہ نماز مفتاح طاعات ہے کہ باعث انضباط اوقات ہے۔

حفظانِ صحت

انسان کے لیے جسمانی صحت اور تندرستی نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر زندگی بیکار ہے، اور

دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ اور فضول ہیں۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی کو قواعدِ تندرستی کا پابند اور اصولِ حفظانِ صحت کا تابع بنائے۔ طِبِ انسانی کے ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ تندرستی کے لیے حسبِ ذیل باتیں نہایت اہم ہیں۔

۱۔ سویرے اُٹھنا ۲۔ صبح صادق طلوعِ آفتاب سے پیشتر اُٹھنا۔ ۳۔ صبح کی حیات پرور نسیم میں سانس لینا۔ ۴۔ ہلکی جسمانی ورزش کرنا۔ ۵۔ سویرے اُٹھ کر فطری ضروریات سے فراغت حاصل کرنا۔ ۶۔ جسم کی صفائی کرنا۔ ۷۔ صبح سویرے ہلکی خوراک کھانا۔ ۸۔ معاش کی تلاش اور دیگر فرائض کی ادائیگی۔

نمازِ پنجگانہ میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ نمازِ فجر کے لیے ہر مسلمان مذہبًا پابند ہے۔ کہ صبح منہ اندھیرے بستر سے الگ ہو، ضروریاتِ زندگی سے فراغت حاصل کرلے کیونکہ فطری حوائج کے احساس کی حالت میں کوئی نماز اللہ تعالٰی کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی۔ پھر وضو کرے یعنی دونوں ہاتھوں کو گٹوں تک دھوئے، کیونکہ نیند کی حالت میں نہ جانے ہاتھ کن چیزوں کو لگے ہوں اور انگلیاں مضرِ صحت زہر اور جراثیم سے آلودہ ہوں۔ اس کے بعد بہت اچھی طرح دانتوں کو مسواک سے صاف کرے کلی اور غرارہ کر کے حلق کو بھی پاک کرے تاکہ سابق خوراک کا کوئی ٹکڑا منہ میں باقی نہ رہے۔ جو نئی غذا میں مل کر جسم میں داخل ہو، اور صحت کو بگاڑے۔

بعد ازاں ناک کے دونوں سوراخوں کو پانی سے صاف کرے تاکہ سانس لینے میں جو جراثیم اندر لپٹ کر رہ گئے ہوں، وہ باہر نکل آئیں، صاف ستھری نلکیاں صبح کی روح پرور ہوا کو چھان کر جسم کے اندر پہنچائیں، پھر آنکھوں اور پورے چہرے کو دھوئے اس طرح آنکھوں کی کثافت دُور ہو جائے گی۔ اور چہرہ تازگی سے نکھر آئے گا۔ پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دھو لیا جائے تاکہ ان میں طراوت آجائے۔ سر کان اور گردن کو بھیگے ہاتھوں سے پونچھ لے تاکہ گرد و غبار سے پاک و صاف ہو جائیں۔ اس کے بعد پاؤں کو دھو لے۔ تاکہ ان پر لگے ہوئے جراثیم دُور ہو جائیں۔

اسی طرح صاف ستھرے ہو کر گھروں سے نکل کر محلے کی مسجد میں پہنچ جائیں تاکہ اس چہل قدمی اور صبح کی ٹھنڈی ہوا سے پورا پورا فائدہ پہنچے۔

مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھنے سے ہلکی سی ورزش ہو جاتی ہے ادائے نماز کے بعد لوگ مسجد سے اپنے گھروں کی طرف واپس جاتے ہیں۔ اور یک لقمہ صباحی بہتر ز مرغ و ماہی" کے اصول کے مطابق کچھ کھا پی کر دنیاوی معاملات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس وقت سے لے کر نمازِ ظہر تک کوئی مذہبی فریضہ یا نماز نہیں، گویا یہ سات آٹھ گھنٹے کا وقفہ کسبِ معاش اور دنیاوی امور انجام دینے کے لیے شرعی لحاظ سے مقرر ہے نمازِ ظہر کا عمل تھا کہ اس طرح ہوگا کہ ظہر کے وقت ہم اپنے دفاتر اور کارخانوں سے گھر واپس آئیں وضو کریں۔ اور نمازِ ظہر ادا کریں، پھر دن کا کھانا کھا کر کچھ لیٹ رہیں تاکہ نظام

معدہ نہ بگڑے اگر وقت بچے تو پھر کچھ اور کام کرلیں۔ غرض ظہر سے عشاء تک یکے بعد دیگرے مختلف نمازوں کے اوقات مسلسل ہیں کیوں کہ ان اوقات میں نظام جسمانی کوئی اہم اور بڑے کام انجام دینے کے لیے تیار نہیں رہتا ہے۔
عشاء کی نماز کے بعد سو جانا چاہیئے۔ اسلام میں نمازِ عشاء کے بعد جاگنا ناپسندیدہ ہے اور طبی اصول سے بھی مضر ہے۔

تحصیلِ علم

صرف کتابیں پڑھنے اور لکھنے کا نام علم نہیں ہے۔ حروف و تحریر تو کلام و گفتگو کے لیے نشانات ہیں۔ علم نام ہے نامعلوم چیزوں کو جاننا اور ذہن انسانی میں نامعلوم باتیں معلوم کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا۔ یہ مقصد زبانی گفتگو اور تعلیم سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور کتاب و تحریر سے بھی مسجدوں میں مستند اہل علم حضرات فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے ہیں اور اس دوران کئی علمی مسائل بیان کرتے ہیں۔ جس سے تمام نمازی مستفید اور مستفیض ہوتے ہیں۔ اگر ہر نمازی اپنے امام سے پوری توجہ سے علم حاصل کرے تو پوری ملت میں کوئی فردِ جاہل، نامہذب اور غیر متمدن نہ رہے۔ ہم تعلیم بالغاں کے لیے سنٹر کھولتے ہیں۔ بڑی لمبی چوڑی سکیمیں بناتے ہیں۔ کافی فنڈ مہیا کرتے ہیں۔ نیز اُمت کی کم علمی سے بھی پریشان ہیں۔ مگر ادارہ نماز سے فائدہ نہیں اُٹھاتے، نماز کے ذریعے قوم کی تعلیم کا رواج مسلمانوں کے ابتدائی دور میں تھا۔ یہ طریقہ پوری قوم کو اہلِ علم بنا دے گا۔ اور یومیہ مشاغل میں کوئی فرق بھی نہ آئے گا۔

وعظ و نصیحت

مسجد میں ہر جمعہ کو امام مسجد یا خطیب وعظ و نصیحت کی باتیں کرتا ہے۔ جس سے اخلاق رذیلہ دُھل جاتے ہیں، دین کی سمجھ بوجھ آجاتی ہے۔ اس طرح باطن کی اصلاح معاشرتی زندگی میں بھی بڑا فائدہ دیتی ہے۔ ایمانداری کا چرچا ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ نیک اور صالح انسانوں سے مل کر بنتا ہے۔ تجارت لین دین اور نجی تعلقات میں خرابی اور انتشار نہیں پھیلتا ہے۔
البتہ ایسا تب ہی ممکن ہے۔ جب امام مسجد اور خطیب وعظ تبلیغی انداز میں کرے لوگوں سے واہ واہ کروانے کے لیے کوئی بات خواہ کتنے ہی خوبصورت انداز میں بیان کی جائے اس کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔ ہمیشہ اسی آواز کا اثر ہوتا ہے جو دِل کی گہرائیوں سے نکلے۔

؎ دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے۔

غرض نماز نے اس ہفتہ وار اجتماع میں مسلمانوں کی روحانی اصلاح کا بہترین انتظام کیا ہے۔

اصلاحِ باطن

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو جہاں ظاہری تربیت کا احساس دلایا اور معاملات دنیوی میں حسنِ کردار اور اچھی سیرت پر زور دیا۔ وہاں نماز باجماعت کا اہتمام کر کے باطن کی تربیت کا سامان بھی پیدا کیا اصل میں ظاہری نکھار اور سیرت کی عمدگی بھی تب ہی پیدا ہوتی ہے۔ جب باطن درست ہو اگر باطنی پاکیزگی حاصل نہ ہو اور نفوسِ انسانی خواہشاتِ نفسانی سے پُر ہوں تو ایسی صورت میں باطن کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔ انسان کے اندر بداخلاقی جنم لیتی ہے۔ اخلاقِ رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ مسجد میں خلوصِ دل سے پانچوں وقت کی نماز ادا کی جائے تو بُرے اخلاق کی اصلاح ہو جاتی ہے اور انسان کے اندر اخلاقِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں۔ نماز باجماعت سے روح میں پاکیزگی اور نفس خواہشات شیطانی سے پاک اور صاف رہتا ہے۔

جب دِل میں عظمتِ خداوندی گھر کر لیتی ہے تو وُہ برائی کے خوف سے کانپتا ہے اور جب دِل کی اصلاح ہو جائے تو سمجھو کہ باطن کی اصلاح ہو گئی۔ کیوں کہ دِل ہی اندرونی صفائی کا مرکز ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

سنو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب یہ لوتھڑا سنور گیا، تو سارا بدن سنور گیا۔ اور اگر یہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا جان لو یہ لوتھڑا "دِل" ہے۔

معاشرے میں شر اور فساد کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہمارے دِلوں کی اِصلاح نہیں ہوئی، حسد، بغض کینہ، ریا، تکبر اور شہوت وغیرہ جذبات کی آماجگاہ دِل ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے باطن کی اصلاح کو نہایت ضروری سمجھا اور اس کا محور مسجد کو قرار دیا۔ مسجد ہی وہ جگہ ہے۔ جہاں اخلاق رذیلہ دُھلتے ہیں اور اوصافِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک مومن کے پیش نظر باطن کی اصلاح ہوتی ہے۔ جس سے وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔ اور اس کی معرفت اور قرب حاصل کر لیتا ہے۔

حصولِ روحِ معراج

معراج میں جو حضور علیہ السلام کو برکات اور روحانی سربلندیاں عطائیں ہوئی ہیں ان کا خلاصہ تین چیزیں ہیں ایک مشاہدہ حق جیسا کہ قرآن نے کہا:۔

مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی — قلب نے اس کو جھوٹا نہ کیا جو کچھ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ اِنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّہٗ مَرَّتَیْنِ مَرَّۃً بِبَصَرِہٖ وَمَرَّۃً بِفُؤَادِہٖ

ترجمہ:۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک بار سر کی آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام — اعلیحضرت علیہ الرحمۃ

دوسری چیز قرب انتہائی ہے قرآن کا ارشاد ہے:۔

دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ۔ — وہ نزدیک ہوا پھر زیادہ نزدیکی چاہی تو ہوگیا مقدار دو کمانوں کے یا زیادہ نزدیک۔

اُٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

پیران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتاً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دنیٰ تدلّٰی کے سلسلے تھے

تیسری چیز مکالمہ حق ہے۔ چنانچہ التحیات میں اسی مکالمہ کی حکایت کی جاتی ہے۔

زباں کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چکے تھے

اگر توجہ سے کام لیا جائے تو سرورِ کائنات کی نعلین مبارک کے طفیل ہر نمازی کو یہ تینوں مقامات دن میں پانچ مرتبہ نمازمیں عطا ہوتے ہیں۔ اوّل مشاہدہ تو حدیث میں ارشاد ہے کہ بحالتِ قیام بندہ کی نظر اللہ کے چہرے پر ہوتی ہے۔ جیسا بھی چہرا اس کی شان کے لائق ہے۔

دوم قرب، تو سجدہ میں قرب کی انتہا ہو جاتی ہے۔

سوم کلام۔ تو وہ ہر رکعت میں میسّر آتا ہے۔ کیوں کہ ہر رکعت میں فاتحہ لازم ہے۔ اور فاتحہ کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے کہ اس کے ایک ایک جملے کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ بندہ کہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ فوراً جواب آتا ہے۔ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ۔ بندہ کہتا ہے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ جواب آتا ہے مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ۔ بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جواب آتا ہے ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ۔ بندہ اِہْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تا وَلَا الضَّالِّیْنَ کہتا ہے تو جواب آتا ہے۔ ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ۔

نیز یوں بھی تلاوتِ قرآن فرض ہے اور تلاوتِ قرآن بنصِ حدیث اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ چونکہ نماز میں مشاہدہ بھی حقیقی ہے۔ قرب بھی انتہائی اور کلام بھی منہ در منہ ہے اور یہی تینوں چیزیں معراج کی روح ہیں اسی لیے نماز مومن کی معراج ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے۔

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ — نماز مومن کی معراج ہے۔

نماز کیا دے سکتی ہے

۱۔ امیر کا انتخاب

آج کل نمازِ جمعہ اور عیدین کے مقاصد کھو دیئے گئے ہیں اب تو ہر محلہ کی مسجد عیدگاہ اور جامع مسجد بنی ہوئی ہے۔ کاش مسلمان ان اجتماعات کی اصل غرض کو جان کر دوبارہ حقیقت کی طرف رجوع کریں۔ بہرکیف محلہ کی ہر مسجد ایک یونٹ قرار دیں جو اپنے حقیقت کی طرف رجوع کریں۔ بہرکیف محلہ کی ہر مسجد کو ہر یونٹ قرار دیں، جو اپنے متعلقہ علاقے اور نمازیوں کے دینی اور دنیاوی مفاد کی نگران ہو، موجودہ سیاسی اور تمدنی اصطلاح میں ہر محلہ کی مسجد کو آبادی کی پنچایت، یونین اور ایک تہذیبی ادارہ قرار دیا جائے جہاں معاشی، صنعتی تمدنی اور ثقافتی تمام امور پر غور و خوض ہو۔

ہر محلہ کی مسجد اپنے معتمد نمازیوں میں سے کسی ایک فرد کو مجلس بالا کے لیے نامزد کرے اور کئی مسجدوں کے نمائندے مل کر بالا تر مجلس کے لیے مندوب چنیں۔ اس طرح ایوانِ حکومت تک انتخاب کا

راستہ ہموار ہوتا چلا جائے گا۔ دوسرے علاقے اور آبادی کے بسنے والے لوگ جب چاہیں رکنیت کے لیے نامزد امیدواروں کے حالات ان کی اپنی مقامی مسجد میں پہنچ کر معلوم کر سکتے ہیں۔ اس طرح یہ ساری کاروائی اور انتخابی مہم مسجدوں میں نماز کے بعد انجام پائے گی۔ چونکہ پاکیزہ ماحول کی وجہ سے افراد معاشرہ پر عبادت اور خدا ترسی کا نفسیاتی اثر تازہ رہتا ہے۔ اس لیے امید کی جاتی ہے کہ انتخاب رکنیت میں اجتماعی و دینی مصالح کا خیال رکھا جائے گا۔ اور ناحق طرفداری کا پہلو مدہم رہے گا۔

اس طرح نماز ایک ایسا ادارہ ہے جو انتخاب امارت میں بہت کار آمد اور مؤثر ہے خلفائے راشدین کی بیعتِ عام ہمیشہ مسجدوں میں لی جاتی تھی۔ امیر کے کردار اور فیصلے پر نکتہ چینی بھی مسجدوں میں زیادہ بہتر اور موزوں ہے۔ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ مسجد کے پاکیزہ ماحول میں صحیح راہ اختیار کر سکیں۔

۲۔ استصوابِ رائے اور نماز

آج کسی ایک مسئلہ کے متعلق جمہوری حکومتیں پوری قوم کی رائے معلوم کرنا چاہیں تو اس کے لیے طویل مدت بڑا اہتمام اور کافی فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمام مساجد کے متقدین بآسانی یہی کام کم وقت اور کم خرچ میں انجام دے سکتے ہیں۔ مرکزی حکومت سے ایک سوالنامہ تمام شہروں اور اس کی ملحق آبادی کی تمام مساجد میں بھیج دیا جائے۔ ائمہ مساجد جماعت ہو چکنے کے بعد حاضرین کے سامنے اس سوالنامہ کو پیش کر کے موافق و مخالف آراء معلوم کرلیں اور اسی وقت شہر کی مرکزی مساجد کو روانہ کر دیں۔ اس طرح پوری قوم کے خیال چند دنوں میں حکومت کو معلوم ہو جائیں گے۔ نہ وقت ضائع ہوگا نہ لاکھوں روپے خرچ ہوں گے اور نہ لمبے انتظامات کرنے پڑیں گے۔

۳۔ مردم شماری

ہر دس سال کے بعد ساری دنیا میں نفوس شماری ہوتی ہے۔ اور اس پر ہر ملک کروڑوں روپے صرف کرتا ہے۔ لیکن نماز ایک ایسا ادارہ ہے کہ دن میں پانچ وقت اسلامی حکومت کو بے صرف زر سارے ملک کی مردم شماری کی رپورٹ مل سکتی ہے۔

ملکی دفاع

ہر ملک داخلی امن اور بیرونی مدافعت کے لیے پولیس اور فوج مقرر کرتا ہے۔ اسلامی ہدایات کی رو سے ملک کے ہر بالغ تندرست اور مرد باشندے کا فرض ہے کہ جنگی تربیت سے آراستہ ہو اور بوقتِ ضرورت رضاکارانہ خدمت پیش کرے۔ زمانہ امن میں محدود پیمانے پر فوجی محکمے قائم رہتے ہیں لیکن جنگ کے دنوں میں سپاہیوں کی عام بھرتی اور بعض حالات میں تو جبری بھرتی کی نوبت آتی ہے۔ دورانِ جنگ کے حالات پر غور فرمائیے کہ ایک طرف حکومت بیرونی مدافعت میں سرگرداں ہے۔ دوسری طرف نئی فوجی بھرتی کے لیے طرح طرح کی تدابیر اختیار کرتی ہے۔ خدانخواستہ عمومی یا جبریہ عسکری تنظیم کیخلاف ملک میں ناراضگی پیدا ہو جائے تو بڑی سے بڑی طاقتور حکومت بھی سخت آزمائش میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور اندرونی خلفشار سے دشمنوں کے آگے ہتھیار ڈال دیتی ہیں۔

مگر ادارہ نماز ان تمام پریشانیوں سے نجات کا بڑا کامیاب ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ امن کے دنوں میں نماز کے بعد حاضرین میں سے تندرست اور توانا افراد کو فوجی خدمات کے لیے منتخب کر سکتے ہیں۔ اور جنگ کے دنوں میں عمومی وجبریہ فوجی خدمات کے لیے بغیر کسی جبر و اکراہ کے تنظیم تیار ہو سکتی ہے اور مساجد کے ذریعے حسبِ ضرورت کمک بھی مل سکتی ہے۔ یہ ساری باتیں خدا ترسی کے ماحول میں ہوں گی۔ اور اس مقصد کے لیے نہ بڑے پیمانے پر پروپیگنڈے کی ضرورت ہے نہ مالی بجٹ کی، سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوران جنگ کا کوئی وقت ضائع نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے زمانہ عروج میں جامع مسجد کے اندر ایک آواز پر ہزاروں نمازی سرفروشی کے لیے مل جاتے تھے۔

اگر آج ادارہ نماز کی تجدید کی جائے اور ہر مسجد کے ساتھ فوجی تربیت کا انتظام ہو تو ہر اسلامی ملک کی فوجی تنظیم بآسانی ہو سکتی ہے اور ہمارے دشمنوں کو نہ کانوں کان خبر ہو اور نہ کسی طرف سے کوئی اعتراض اور نکتہ چینی کی گنجائش رہے۔ منادی پوسٹر پمفلٹ اور اشتہارات کی جگہ پر صرف موذن کی پنجگانہ پکار پر ساری آبادی از خود دوڑی آتی ہے۔ اور ایک خاص جذبہ کیساتھ امام کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔

حکومت چاہے تو بڑی سے بڑی تنظیم کا جال پورے ملک میں پھیلا سکتی ہے۔ اس کے اخفار اور رازداری کا انتظام ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ائمہ مساجد اپنے محلہ کے تمام نمازیوں کے صورت سے آشنا اور

واقف کار ہوتے ہیں۔ اگر کسی نو وارد پر نگاہ پڑے تو راز کی باتیں اس پر ظاہر کرنے سے توقف کریں۔

دورانِ جنگ بسا اوقات حکومتوں کو مالی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ جرأت دلانے اور ہمت بندھانے کے لیے پروپیگنڈے اور دیگر نشریات سے کام لینا پڑتا ہے۔ باشندوں میں ضروریاتِ زندگی کی تقسیم و ارسال کے لیے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ اسلام نے ان تمام اغراض کے لیے نماز کا ادارہ بنا دیا ہے۔ بشرطیکہ لوگ پہلے کی طرح آج بھی اس سے کام لیں۔

عفو و درگزر

آج کل مہذب طریقہ ہے کہ اگر دو افراد میں غلط فہمی یا رنجش پیدا ہو جائے۔ تو ایک تیسرا فریق دونوں حضرات کو ایک جگہ اکٹھا کر دیتا ہے۔ تاکہ ہم نشینی سے کشیدگی دور ہو جائے۔ نماز با جماعت میں شرکت سے یہ متمدن مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اور تیسرا فریق خود اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے نام پر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے آپس کی کشیدگی اور تنازعات مٹانے کی ہدایت کرتا ہے۔

ادارۂ نماز کا صحیح و مؤثر نظام قائم ہو تو مسلمانوں کی باہمی شکایات اس محلہ اور پنچایت میں دور ہو سکتی ہیں۔ اور آپس کے مقدمات عدالت میں پہنچنا رک جائیں اور صحیح انصاف جو اہلِ محلہ کے باشندے ایک دوسرے کے دعوے اور ردِ دعویٰ کی حقیقت جس حد تک جانتے ہیں۔ اور جان سکتے ہیں۔ وہ قاضیوں اور ججوں کو بڑی چھان بین کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ سارے معاملات مسجد میں خدا ترسی کے ماحول میں طے ہوں گے جس سے اصلاح اور بہتری کی زیادہ اُمید ہے۔

نماز کے اسرار و رموز

سوال: پانچ نمازوں کے فرض ہونے میں کیا حکمت ہے۔

جواب: انسان میں ظاہر کے حواس پانچ ہیں۔ آنکھ دیکھنے کے لیے، ناک سونگھنے کے لیے۔ ہاتھ پکڑنے کے لیے، زبان چکھنے کے لیے۔ کان سُننے کے لیے ان حواس خمسہ کے شکریہ میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ جو پانچوں نمازوں کی پابندی کرتا ہے وہ ان پانچوں حواس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

خداتعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ انسان کو پانچ نعمتیں عطا فرمائیں، غذا۔ موسم کے مطابق لباس، مکان۔ خدمت کے لیے بیوی اور نوکر چاکر اور سیر و سفر کے لیے مناسب سواری، ہر نعمت کے مقابلہ میں ایک شکر واجب تھا۔ ان پانچوں نعمتوں کے شکریہ میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جو پانچوں نمازوں کو ادا کرتا ہے۔ وہ ان پانچوں نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

انسانی زندگی میں پانچ حالتیں ہیں لیٹنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، کھڑا ہونا، ان پانچ حالتوں میں انسان پر رحمتِ الٰہی نعمتِ خداوندی کی بارش ہوتی ہے۔ ہر نعمت اپنے اندر بے شمار نعمتیں لیے ہوئے ہے۔ ان ساری نعمتوں کے شکریے میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جس مسلمان نے ان پانچ نمازوں کو ادا کیا اس نے اپنی ہر حالت اور خدا کی ہر نعمت کا شکریہ ادا کر لیا۔

خدا کی مخلوق پانچ قبلوں کی طرف منہ کر کے عبادت کرتی ہے۔ بیت المقدس یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ ہے۔ خانہ کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ بیت المعمور ملائکہ کا قبلہ ہے۔ عرش الٰہی کروبیاں کا قبلہ ہے۔ اور ذاتِ الٰہی قبلہ ہے، بھولے ہوئے نمازیوں کا یعنی جو نمازی قبلہ کی جہت بھول جائے وہ جدھر چاہے۔ نماز پڑھ لے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ — جدھر منہ کرو گے اُدھر ہی اللہ کو پاؤ گے۔

بھول جانے کے بعد جس طرف منہ کر کے نماز پڑھو گے وہیں قبلہ حقیقی موجود پاؤ گے، متحیر کا قبلہ ہر طرف ہے۔ پس ہر ایک قبلہ کی طرف عبادت کرنے کا ثواب اس امت کو عطا فرمانے کے لیے پانچ نمازیں مقرر ہوئیں۔ جس نے یہ پانچ نمازیں پڑھ لیں اس کے نامۂ اعمال میں پانچوں قبلوں کے عابدوں کا ثواب لکھا جائے گا۔

دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد انسان پر پانچ مصائب نازل ہوتے ہیں۔ اوّل موت۔ دوم قبر۔ سوم میدانِ حشر، چہارم پل صراط، پنجم جنت کا دروازہ بند ہونا۔ ان مصیبتوں کے دفع کرنے کے لیے پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔

مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلٰوتِ اَکْرَمَهُ اللّٰهُ بِخَمْسِ خِصَالٍ یَرْفَعُ عَنْهُ ضِیْقَ الْمَوْتِ وَعَذَابَ الْقَبْرِ وَیُعْطِیْهِ اللّٰهُ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ وَیَمُرُّ عَلَی الصِّرَاطِ کَالْبَرْقِ وَیَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

جس نے پنجگانہ نماز کی محافظت کی اللہ تعالیٰ اسے پانچ باتیں عطا کرے گا۔ موت کی سختی سے بچائے گا، قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، حشر کے دن اس کا نامۂ اعمال اللہ تعالیٰ دائیں ہاتھ میں دے گا۔ اور پل صراط سے

بجلی کی مانند گزر جائے گا۔ اور جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہو جائے گا۔

نمازِ ظہر کی حکمتیں

۱۔ روزانہ دوپہر کے وقت دوزخ بھڑکائی جاتی ہے اس جوش و خروش میں جہنم سے آواز آتی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وہ مومن نجات پا گئے جو اپنی نمازیں خشوع و خضوع کرتے ہیں۔

دوزخ خود اپنے منہ سے اقرار کرتی ہے۔ کہ نمازی میرے اندر نہ آئے گا۔ اب اس وقت فرد ری ہوا کہ اس وقت خدا تعالےٰ اپنے محبوب کی امت کو نماز کا حکم فرمائے تاکہ وہ نماز پڑھ کر جہنم سے نجات پا جائیں حدیث پاک میں ہے۔

فَمَنْ صَلّٰیھَا حَرَّمَ اللہُ جَسَدَہٗ عَلَی النَّارِ جو شخص ظہر کی نماز پڑھے گا خدا تعالےٰ اس کے جسم کو آگ پر حرام کر دے گا۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بحکم الٰہی ذبح کرنے کے لیے مکہ معظمہ سے منیٰ تک لے گئے دوپہر کے قریب آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا۔ اس وقت آپ کو چار فکر تھے۔ حکم الٰہی کو کما حقہٗ پورا کرنے کا فکر، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فکر، والدہ اسماعیل کو کیا جواب دیا جائے گا، چوتھا فکر یہ تھا کہ اب حضرت ہاجرہ تنہا جنگل میں کس طرح زندگی بسر کریں گی، مگر خدا تعالےٰ نے یہ سارے غم غلط کر دیئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور دُنبہ قربانی کیلئے بھیجا۔ اس عرصہ میں سورج ڈھل گیا اور ظہر کا وقت آ گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چاروں غموں کے رفع ہونے کے شکریے میں چار رکعتیں پڑھیں اللہ تعالےٰ نے آپ کی اس عبادت کو پسند فرمایا اور یہی چار رکعتیں مسلمانوں پر فرض فرما دیں۔ تاکہ اُمت کو خلیل اللہ سے تعلق حاصل ہو جائے۔ اور اس اُمت کا حشر قیامت کے دن پیارے خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ ہو۔

نمازِ عصر کی حکمتیں

۱۔ قبر کے سوال ہر مرنے والے سے ہوتے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور وہ بڑا مشکل کا وقت

ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر نمازِ عصر فرض فرمائی۔ قبر میں خواہ رات ہو خواہ دن، صبح ہو یا شام مردہ کو یہی نظر آتا ہے۔ کہ گویا عصر کا وقت ہے۔ اور سورج غروب ہونے کو ہے۔ یہاں نمازِ عصر کا عادی انسان نمازِ عصر کے فکر میں مستغرق ہے۔ فرشتے سوال پوچھتے ہیں یہ کہتا ہے کہ پہلے مجھے نمازِ عصر پڑھنے دو پھر تمہارے سوالات کا جواب دوں گا۔ فرشتے کہتے ہیں یہ دنیا نہیں بلکہ عالمِ برزخ ہے دار العمل تم چھوڑ آئے ہو اَب تو ہمارے سوالات کا جواب دینا پڑے گا۔ وُہ بندہ خدا کہتا ہے۔ جب تک نمازِ عصر نہ پڑھ لوں، کسی سوال کا جواب نہ دونگا۔ فرشتے ربّ العزت کی بارگاہ میں یہ معاملہ پیش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اے فرشتو! میرا یہ بندہ نمازِ عصر پڑھنے کا عادی ہے۔ اس لیے اس کو نمازِ عصر کا فکر دامن گیر ہے اَب یوں کرو کہ حسابِ قبر تم معاف کر دو اور حسابِ حشر میں معاف کر دوں گا۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے بندہ کو حسابِ قبر اور حسابِ حشر سے بچانے کے لیے نمازِ عصر فرض فرمائی ہے۔

۲۔ حضرت یونس علیہ السلام کو خدا نے چار اندھیروں میں قید کیا۔ دریا کا اندھیرا، پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، پھر اس مچھلی کو ایک اَور مچھلی نے نگل لیا۔ اس کے پیٹ کا اندھیرا چوتھا رات کا اندھیرا، جب یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں ان چاروں اندھیروں سے گھبرا کر خدا کو یاد کیا تو فوراً مچھلی کو حکم ہوا کہ بہت جلد یونس علیہ السلام کو زمین پر اُگل دو۔ مچھلی نے ارشاد کی تعمیل میں آپ کو عصر کے وقت دریا کے کنارے نکال دیا۔ آپ نے ان چار اندھیروں سے نجات کے شکریے میں چار رکعتیں پڑھیں، خدا تعالیٰ نے اس عبادت کو پسند فرما کر امتِ مسلمہ پر یہ چاروں رکعتیں فرض فرما دیں، جو ان کو پڑھے گا۔ وُہ بُرے خاتمے، بُری موت کے اندھیرے قبر کی تاریکی، پلصراط اور میدان قیامت کے اندھیرے سے نجات پائے گا۔

نمازِ مغرب کی حکمتیں

۱۔ بعض جاہلوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کو خدا اَور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ اور ان کی والدہ حضرت مریم کو خدا کی بیوی کہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی۔ الٰہی میں قوم کی اس جہالت سے سخت بیزار ہوں۔ میں نے قوم کو یہ حکم بالکل نہیں دیا۔ خداوند قدوس نے فرمایا اے عیسیٰ (علیہ السلام) تم اس جرم سے بری ہو، یہ سُن کر آپ نے شکریے کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں، کیوں کہ آپ کو دو الزاموں سے بری کیا گیا۔ خدا اَور خدا کا بیٹا دو الزام تھے۔ اس لیے آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، حضرت مریم

پر خدا کی بیوی ہونے کا الزام تھا۔ اس الزام سے برأت پر انہوں نے بھی ایک رکعت پڑھی، خدا نے یہ تینوں رکعتیں ملا کر اس امت پر فرض فرما دیں کہ جو ان کو پڑھے گا۔ اس کی ہر گناہ سے توبہ اور معذرت قبول ہوگی۔

۲۔ حضرت یعقوب علیہ السلام چالیس سال تک فراقِ یوسف علیہ السلام میں روتے رہے، حتیٰ کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی، خدا تعالےٰ نے فضل فرمایا کہ قاصد حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ لایا۔ آپ کی آنکھوں پر رکھا تو بینائی واپس آگئی اور آپ کا رنج راحت میں بدل گیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کے شکریے میں تین رکعتیں پڑھیں، ایک بصارت کے واپس آنے کے شکریے میں دوسری یوسف علیہ السلام کے زندہ ہونے کے شکریے میں اور تیسری یوسف علیہ السلام کے دین اسلام پر قائم رہنے کے شکریے میں، یہی تینوں رکعتیں خدا تعالےٰ نے اس امتِ مرحومہ پر فرض فرمائیں تاکہ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی مراد مغرب کے وقت پوری ہوئی اسی طرح جو مغرب کی نماز پڑھے گا۔ اس کی مرادیں اللہ تعالےٰ پوری کرے گا۔

نمازِ عشاء کی حکمتیں

۱۔ عشاء کے وقت کا اندھیرا قبر اور قیامت کے اندھیرے کی صورت ہے۔ اور نماز نور ہے۔ اس لیے اندھیرے میں نماز فرض فرمائی، تاکہ نماز کا نور قبر کے اندھیرے کو دور کر دے جو عشاء کی نماز پڑھے گا۔ رَزَقَهُ اللّٰهُ نُوْرًا فِیْ قَبْرِهٖ ۔ حق تعالےٰ اسے قبر میں نور کامل عطا فرمائے گا۔ حدیث شریف میں ہے بَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ فِی الظُّلُمَاتِ اِلَی الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ خدا کا ارشاد ہے اے نبی اپنی امت کو خوشخبری دے دو جو بندہ اندھیرے میں نماز کے لیے مسجد میں جائیگا قیامت کے دن خدا تعالےٰ اسے پورا نور عطا فرمائیگا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو آپ چار غموں میں مبتلا تھے۔ اپنی جان کا غم، بنی اسرائیل کا غم، فرعون کے حملے کا غم اور یہ غم کہ نہ جانے فرعون کب ختم ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے آپکو اور آپ کی امت کو سلامتی کے ساتھ دریائے قلزم سے پار کیا۔ فرعون کو غرق کر دیا۔ اس طرح آپ کے چاروں غم ختم ہوگئے۔ آپ نے عشاء کے وقت چاروں غموں سے نجات کے شکریے میں چار رکعتیں پڑھیں، وہ چار رکعتیں عشاء کے وقت اس امتِ مرحومہ پر خدا نے فرض فرما دیں۔ جو ان کو پڑھے گا۔ وہ بڑے خاتمے کے غم، عذابِ قبر کے غم، قیامت کے غم اور دوزخ کے غم سے نجات پا جائے گا۔

نمازِ فجر کی حکمتیں

۱۔ پہلی امتوں کی عمریں زیادہ اس لیے عبادتیں بھی بہت، اس اُمت کی عمر کم اس لیے عبادت بھی کم مگر ثواب میں اس امت کو اَور امتوں پر شرف حاصل ہے۔ اسلئے خداتعالےٰ نے اپنے محبوب کے طفیل اس امت کی غفلت اَور خواب کو بھی عبادت میں شامل کرنے کے لیے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز با جماعت پڑھی۔ وُہ ایسا ہے جیسے اس نے آدھی رات عبادت میں گزاری! اَور جس نے فجر کی نماز بھی با جماعت ادا کی وُہ ایسا ہے جیسے کہ اس نے ساری رات عبادت میں گزاری۔

۲۔ صبح کا وقت کفار اَور اہلِ دُنیا کے بڑے آرام کا وقت ہوتا ہے۔ وُہ رات کو آدھی رات تک جاگتے رہتے ہیں۔ اِن کی راتیں سینماؤں، ہوٹلوں اَور تھیٹروں یا کلبوں میں گزرتی ہیں۔ رات کا بیشتر حصّہ دادِ عیش دیتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ اَور یہ ضروری بات ہے۔ کہ جو رات کا اکثر حصّہ لہو ولعب میں گزارے وُہ پھر صبح تک سوتا ہی رہے گا۔ اس لیے صبح کی نماز ایسے لوگوں پر نہایت بھاری اَور مشکل ہے۔ حق تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو ایسے بدکار اَور بُرے لوگوں سے الگ کرنے کیلئے فجر کی نماز مقرر فرمائی تاکہ نمازی بے نماز گنہگاروں اَور کافروں کو سوتا چھوڑ کر نماز پڑھے اَور یادِ حق میں مشغول ہو جائے جس طرح آج ان کو سوتا چھوڑ کر نمازی مسجد میں چلا جاتا ہے۔ اِسی طرح کل قیامت کے دن نمازی ان کو روتا ہوا چھوڑ کر جنّت میں چلا جائے گا۔ اَور دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوگا۔

سوال

نماز کے اندر سات فرض ۱۔ تکبیر تحریمہ ۲۔ قیام ۳۔ قرأت ۴۔ رکوع ۵۔ سجدہ۔ آخری قعدہ۔ ۷۔ سلام کیوں ہیں؟

جواب

خداتعالےٰ نے انسان کے جسم کو سات چیزوں سے بنایا ہے۔ گوشت، ہڈیاں، خون، رگیں، پٹھے، مغز اَور جلد، ان سات چیزوں کے شکریے میں اللہ تعالےٰ نے ہر رکعت میں سات فرض رکھے ہیں۔

تاکہ جسم کے ہر حصّے کا شکریہ ادا ہوتا رہے۔ اِن سات اعضاء میں ایسا اتحاد ہے۔ کہ اگر ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے جسم کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان سات فرضوں میں سے اگر ایک رہ جائے یا بھول جائے۔ اچھی طرح ادا نہ کیا جائے تو ساری نماز بیکار اُور ناقص ہو جاتی ہے۔

سوال

پانچ وقت کی نمازوں میں فرض کی سترہ رکعتیں کیوں ہیں ؟

جواب

نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی اُور شبِ معراج میں حضور علیہ السلام کی سیر کے مقامات بھی سترہ ہیں۔ آپ نے اس رات ساتوں آسمانوں کی سیر فرمائی، آٹھوں دروازوں سے جنّت کی سیر فرمائی، عرشِ الٰہی کو دیکھا۔ اُور کرسی کو ملاحظہ فرمایا۔ یہ سب ملا کر سترہ ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے ان مقامات کی سیر جسمانی طور پر کی اُور حضور علیہ السلام کی اُمّت نماز پڑھ کر ان مقامات کی روحانی سیر کرتی ہے۔

سوال

نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے میں کیا حکمت ہے ؟

جواب

اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس میں اپنی روح پھونک کر فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو اس طریقے سے آزمایا کہ کون آدم علیہ السلام کو سجدہ کر کے ہماری فرمانبرداری کرتا ہے۔ اُور کون نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ حالاں کہ پیدائش اُور مادہ کے لحاظ سے فرشتے افضل تھے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُوْرٍ — فرشتے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

اُور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی۔ اسی طرح اگرچہ انسان کو کعبہ کی زمین اُور اس کی دیوار پر شرف حاصل ہے۔ لیکن اس کو کعبہ کی طرف سر جھکانے کا حکم دیا کہ خداوند قدوس دیکھے کہ کون انسان اس کا فرمانبردار ہے۔ اُور کون نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جسمانی عبادت کی خوبصورتی اتحاد کی صورت میں ہے۔ اور اتحاد کی صورت بغیر ایک طرف متوجہ ہوئے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے اس عبادت کو اتفاق اور یگانگت کی صورت میں لانے کے لیے نماز کے اندر کعبہ کی طرف منہ کرنے کو ضروری قرار دیا گیا۔

سوال

نماز کے اندر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے میں کیا حکمت ہے؟

جواب

انسان اپنے گناہوں کے باعث اللہ کا مجرم اور ملزم ہے۔ اور بمنزلہٗ درخواست کے ہے۔ جو اس نے رب تعالےٰ کی عدالتِ عالیہ میں معافی کے لیے پیش کی ہے۔ اگر نماز باجماعت پڑھتا ہے۔ تو یہ درخواست بذریعہ وکیل (پیش امام) اگر تنہا بغیر جماعت کے پڑھتا ہے۔ تو خود ہی اپنی درخواست خدا کی عدالتِ عالیہ میں پیش کرتا ہے۔ چوں کہ اس وقت مالک الملک عدالتِ عالیہ میں جلوہ افروز ہے اور اس میں ملزم کا مقدمہ پیش ہے ایسی حالت میں ملزم کا فرض ہے۔ کہ وُہ ہاتھ باندھے نیچے نظر کیے رحیم وکریم کے سامنے کھڑا ہو تاکہ اس کی عاجزانہ صورت کو دیکھ کر ارحم الراحمین کو رحم آجائے اور جہنم کے عذاب سے اس کی جان بخشی ہو جائے۔

سوال

رکوع میں کیا حکمت ہے؟

جواب

رکوع سے پہلے بندہ نے جو درخواست رب تعالےٰ کی بارگاہ میں پیش کی تھی۔ خدا تعالےٰ نے اس کو شرفِ قبولیت بخشا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد شریف کے بعد سورۃ پڑھ کر ختم کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے میرے بندے! ہم نے تیری درخواست قبول کر لی۔ اس قبولیت کے شکریہ میں نمازی اپنے سر اور کمر کو جھکا کر گویا یہ عرض کرتا ہے۔ کہ اے مولا! میرا سر اور کمر تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ اس کا شکریہ میں کیسے ادا کر سکتا ہوں۔ میرا سر تیری بارگاہ میں حاضر ہے۔ تو جو چاہے اس کے اندر خیال پیدا کرا دے یہ کمر بھی حاضر ہے۔ تو اس میں جس قدر چاہے۔ عمل کرنے کی قوت دے۔

سوال

سجدہ میں کیا حکمت ہے؟

جواب

خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا رہنے کی وجہ سے ایک خاص حالت طاری ہوئی۔ قرب الٰہی کے انوار کا اثر اور کچھ طمانیت قلب حاصل ہوئی اس لیے انسان کو خیال ہوا کہ جب دُور سے حاضری میں یہ کیفیت ہے۔ تو نزدیک کی حاضری میں کیا کیفیت ہوگی۔ اس لیے اس نے سجدہ کیا کہ یہ قرب الٰہی کی اعلیٰ شکل ہے۔

سوال

برخلاف اور ارکان کے نماز میں دو سجدے کیوں فرض ہوئے؟

جواب

۱۔ سجدہ دعوائے ایمان کے لیے گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سجدہ کا نشان قیامت کے روز پیشانی پر چمکے گا۔ اور ثبوت دعوئے کے لیے شریعت نے دو عادل گواہ مقرر کئے ہیں۔ اس لیے دو سجدے مقرر ہوئے۔

۲۔ یا ایک سجدہ سے جسم کی عبادت اور دوسرے سجدے سے روح کی عبادت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ یا پہلا سجدہ بنظر عظمت و جلال مولیٰ اور دوسرا سجدہ برائے اظہار عجز و انکساری اور فروتنی

۴۔ یا پہلا سجدہ شکر معرفت اور دوسرا اظہار خدمت کے لیے ہے۔

۵۔ یا پہلے سجدے سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی زمین سے پیدا ہوا اور دوسرے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ انجام کار زمین میں جائے گا۔ گویا نمازی دونوں سجدوں میں آیتہ کریمہ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ کے مضمون کا اقرار کرتا ہے۔

۶۔ یا پہلا سجدہ حکم خداوندی کی تعمیل کے لیے اور دوسرا سجدہ شیطان کو جلانے اور ذلیل کرنے کے لیے۔

۷۔ مبسوط میں ہے دونوں سجدے شیطان کو ذلیل کرنے کے لیے ہیں۔ کہ اسے سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے انکار کر دیا اور اس فعل کو بار بار کرتے ہیں تاکہ شیطان لعین ذلیل و خوار ہو، شیطان نے کروڑوں سجدے کیے لیکن صرف ایک سجدہ کے نہ کرنے سے راندہ درگاہ ہوگیا۔ جب ہم اس فعل کو بار بار کریں گے۔ اور اس کے عوض ثواب عظیم پائیں گے۔ تو ضرور اس لعین کو ندامت ہوگی۔ اور اپنے انکار پر حسرت ہوگی چنانچہ یہی مضمون حدیث سے ثابت ہے کہ جب بندہ سجدۂ تلاوت کرتا ہے۔ شیطان روتا ہوا الگ ہو جاتا ہے۔

اور کہتا ہے، اے خرابی اِسے سجدے کا حکم ہوا بجا لایا اور بہشت کا مستحق ہوا۔ میں نے انکار کیا اور دوزخی ہوا۔

۸۔ جب خدا تعالےٰ نے بنی آدم سے میثاق لیا۔ سجدہ کا حکم دیا تاکہ فعل قول کے مطابق ہو جائے مسلمان سجدہ میں چلے گئے، کافر سجدہ نہ کر سکے، جب مسلمانوں نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اپنے آپ کو اس دولتِ عظمیٰ سے مخصوص پایا تو اللہ تعالےٰ کی توفیق کا شکریہ ادا کرنے کے لیے دوبارہ سجدہ کیا۔ وُہ دو سجدے نماز میں مقرر ہوئے۔

سوال

مشروعیتِ جماعت میں کیا حکمت ہے؟

جواب

علماء فرماتے ہیں۔ نماز با جماعت میں چار فائدے ہیں۔

۱۔ نفس پر تنہا عبادت شاق ہے۔ اوروں کو اس میں مصروف دیکھ کر برغبت و نشاط بجا لاتا ہے۔ اور شیطان بھی تنہا پر بہت حملہ کرتا ہے۔

۲۔ نمازیوں میں باہم دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرے کے حال سے واقف ہوتے ہیں۔

۳۔ چونکہ جماعت میں ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اِس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کامل کی برکت ناقص پر اور حاضر القلب کی برکت غافل پر اثر کرتی ہے اور کمال کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ ہُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی بِہِمْ جَلِیْسُہُمْ۔ کامل لوگوں کی صحبت ایسی برکت والی ہوتی ہے۔ کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی برکت سے محروم نہیں رہتا۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پچھلی صف میں کھڑے ہوتے اور کہتے ہیں نے توریت میں دیکھا ہے۔ امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعض لوگ جب سجدے سے سر اُٹھاتے ہیں تو جو آدمی ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔ بخشے جاتے ہیں۔

۴۔ اجتماعِ مسلمین باعث برکات اور موجب حصول فوائدِ دین ہے۔ جاہل علماء سے مسائل سیکھتے ہیں اور بے شوق کو اہلِ محبت کا شوق دیکھ کر خدا کی بندگی کا شوق اور خائفین کے خضوع اور خشوع دیکھنے سے اوروں کے دل میں بھی خوف پیدا ہوتا ہے۔ بیباک اہلِ احتیاط کی احتیاط دیکھ کر بے احتیاطی اور بیباکی سے باز آجاتے

ہیں اور جلد نماز پڑھنے والے صابروں اور باوقار لوگوں کی نماز دیکھ کر اپنی حرکات پر نادم ہوتے ہیں۔ اور نماز ٹھیک کر لیتے ہیں۔

احیاءالعلوم میں ہے۔ کہ جس کی تکبیر تحریمہ چالیس روز فوت نہ ہو۔ وہ نفاق اور دوزخ سے نجات پالیتا ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے۔ کہ قیامت کے دن ایک گروہ ایسا ہوگا۔ جن کے چہرے ستاروں کی مانند چمک رہے ہوں گے، فرشتے ان سے پوچھیں گے۔ تم کون سا عمل کرتے تھے وہ کہیں گے، ہم اذان سنتے ہی سب کام چھوڑ کر طہارت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ ایسا ہوگا جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ فرشتے ان سے ان کا عمل پوچھیں گے۔ وہ جواب دیں گے۔ ہم وقت سے پہلے طہارت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ تیسرے گروہ کے چہرے آفتاب کی مانند چمکتے ہوں گے۔ ان سے اس کا سبب پوچھا جائے گا۔ تو وہ کہیں گے۔ ہم اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ جاتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے۔ جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ خدا تعالےٰ اسے عرش کے سایہ تلے کھڑا کرے گا۔

فلسفہ زکوٰۃ

زکوٰۃ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑھ کر زکوٰۃ کی اہمیت ہے۔ نماز اور زکوٰۃ اسلامی عمارت کے دو اہم ستون ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان کے ہٹنے کے بعد اسلام قائم نہیں رہتا۔

زکوٰۃ کے معنی پاکی اور صفائی کے ہیں، اپنے مال میں سے ایک خاص حصہ غربا اور مساکین کے لیے نکالنے کو زکوٰۃ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ اس طرح آدمی کا مال پاک اور بابرکت ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کا نفس بھی پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں۔ کہ وہ ایمان کے دعوے کی سچائی پر دلیل ہے۔ اس لیے کہ مال اور دولت محبت کے بغیر خرچ نہیں کی جاتی۔ جب مسلمان اپنا مال اپنے خدا کے حکم سے اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ تو عملاً اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ کہ وہ دعوائے ایمان میں سچا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی دی ہوئی دولت اور اس کے عطا کردہ مال میں سے محتاجوں کا حق نہیں نکالتا اس کا نفس اور اس کا مال ناپاک ہے۔ کیونکہ اسمیں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے وہ اتنا تنگ دل ہے کہ جس خدا نے اس کو ضرورت سے زیادہ دولت دیکر اس پر احسان عظیم کیا ہے۔ اسکے حق کو ادا کرتے ہوئے اس کا دل دکھتا ہے۔ ایسے شخص سے کوئی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ دنیا میں کوئی نیک کام بھی خدا کیلئے کریگا

خدا تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کر کے مالداروں کو آزمائش میں ڈالا ہے۔ جو مالدار مسلمان زکوٰۃ ادا کر کے خدا کے بندوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ وہی مالدار اس لائق ہے۔ کہ اس کا شمار ایمانداروں کی جماعت میں کیا جائے۔ اور جو ذرا سی اتنی قربانی خدا کے لیے بھی نہیں کرتا وہ ایک ایسے عضو کی مانند ہے۔ جو سڑا ہوا ہے۔ اور جس کو اگر جسم سے الگ نہ کیا جائے تو سارا جسم متاثر ہوگا۔ یعنی اگر ایک آدمی بخل سے کام لے گا اور زکوٰۃ نہ ادا کرے گا۔ تو آہستہ آہستہ سب لوگ بخل کے مرض کا شکار ہو جائیں گے اور غربا اور نادار لوگوں مزید مالی مشکلات میں مبتلا ہو جائیں گے۔

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دین اسلام کبھی بھی کسی نبی کے زمانے میں زکوٰۃ سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ۔

اور ہم نے وحی کے ذریعے سے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ عبادت گزار تھے۔

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا۔

وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک برگزیدہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ الٰہی میری قوم کو دنیا اور آخرت میں بھلائی دے۔ اس پر خدا نے فرمایا اگر تمہاری قوم زکوٰۃ کی پابندی کرے گی۔ تو اس کے لیے میری رحمت ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ۔

اگرچہ میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے مگر اس رحمت کو میں انہیں لوگوں کے حق میں لکھوں گا جو مجھ سے ڈریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حکم خداوندی ہوا۔

وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا۔

مجھے خدا تعالیٰ نے ہدایت فرمائی کہ نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں۔ جب تک زندہ رہوں۔

شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زکوٰۃ کا حکم اس طرح وارد ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۔

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام ابتداء سے ہر نبی کے زمانے میں نماز اور زکوٰۃ دو بڑے ستونوں پر قائم رہا۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ خدا پر ایمان رکھنے والی کسی امت کو بھی ان دو فرضوں سے معاف کیا گیا

ہو۔

زکوٰۃ ۲ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ نبی پاک علیہ السلام کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی سے مسکینوں کا ہمدرد، غریبوں پر رحم کرنے والا اور دردمندوں کا غمگسار تھا۔ اسلام میں شروع ہی سے مساکین اور نادار لوگوں کی طرف مالدار مسلمانوں کی خصوصی توجہ دلائی جاتی تھی۔ اور ان کی ہمدردی کو غربار کا رفیق بنا دیا جاتا تھا۔ اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غربار اور مساکین کے لیے بہت کچھ کیا کرتے تھے۔ تاہم ایسا کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا۔ جس پر بطور آئین وضبط کے عمل کیا جاتا ہو۔ اس لیے دولتمند جو کچھ بھی کرتے تھے اپنی نیک دلی اور فیاضی سے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض کیا اور کلمہ شہادت اور نماز کے بعد اسلام کا ایک رکن قرار دیا۔

زکوٰۃ درحقیقت اس صفت ہمدردی اور رحم کے استعمال کا نام ہے۔ جو انسان کے دل میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ قدرتاً اور فطرۃً موجود ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے ادا کرنے والے کو یہ بھی فائدہ ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاقِ انسانی کو مغلوب نہیں کرسکتی اور بخل کے عیب سے انسان پاک رہتا ہے۔ اور یہ فائدہ بھی کہ غریب اور مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا ہے۔ اور اس لیے مالِ کثیر کا جمع ہونا بھی اس میں تکبر وغرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ غربار کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک اُنس ومحبت اور اس کی دولت کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود اور قائم سمجھتے ہیں۔ گویا زکوٰۃ دولتمند مسلمانوں کی ایک ایسی کمپنی کی مثال پیدا کر دیتی ہے۔ جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ سب حصہ دار شامل ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ کے بہت سے فائدے ہیں۔ جن میں سے چند ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ روٹی کے مسئلے کا حل

آج پوری دُنیا روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے سرگرداں ہے۔ معاشی اور اقتصادی بدحالی کو دُور کرنے کی فکر میں ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ تمام معاشی مسائل کا حل سوشلزم نظام میں ہے۔ کوئی کہتا ہے، کہ اقتصادی ترقی کا راز کمیونزم میں ہے۔ کوئی جمہوریت کو اپنے تمام مسائل کا حل سمجھتا ہے۔ لیکن اگر ان تمام قسم کے طرزِ حکومت کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے کوئی نظام بھی کماحقہٗ روٹی کے مسئلے کا حل پیش نہیں کرتا۔ کیوں کہ سوشلزم اور کمیونزم کا مقصد یہ ہے۔ کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے۔

اُور جمہور کی مالیت میں کر دیا جائے۔ نیشلزم نظام کا مقصد یہ ہے۔ کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے جو لوگ سوشلزم کمیونزم وغیرہ کے حامی ہیں۔ وُہ خدا تعالیٰ کی خالقیت رزاقیت، الوہیت، وحدانیت اُور ارسال رسل وغیرہ صفات کے قائل نہیں۔ جو ان کو قرآن مجید یا احادیث نبویہ سے قائل کیا جائے۔ لہٰذا ایسے لوگوں پر عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ اوّلاً تو یہ مساوات اس امر پر موقوف ہے۔ کہ تمام افراد قوم عقل و ہمت، قوت، کسب اُور نفسانی خواہش وغیرہ امور نظام صالح میں یکساں ہوں اُور تجربہ شاہد ہے کہ مساوات قطعاً ثابت نہیں ان میں بے حد اختلاف ہے۔ اگر اختلاف نہ ہو تو پھر حکومت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ حکومت بیکار ہے لہٰذا مساوات ناممکن ہے۔

دوم۔ انسانوں کے مزاجوں میں شدید اختلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا رضامندی سے ایک نکتہ پر جمع ہونا ناممکن ہے۔ پھر اگر حکومت ان کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے جبر و تشدد سے کام لے تو فساد فی الارض کی بنیاد قائم ہوئی۔ قانونِ مساوات ٹوٹ گیا، جبراً ان کے حق مساوات کو سلب کیا۔ ثابت ہوا کہ یہ قانونِ مساوات باطل ہے۔ ے

بات وُہ منہ سے کہی کہ بنائے نہ بنے
بوجھ وُہ سر پہ لیا کہ اٹھائے نہ اٹھے

سوم۔ انسان کو پہننے کے لیے کپڑا، رہنے کے لیے مکان، سواری کے لیے جانور اُور جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے زوجہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ سب چیزیں حکومت کی ملکیت میں ہوں اُور قوم کے تمام افراد کو ان میں تصرف کرنے کے مساوی حقوق حاصل ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ جو آدمی جب چاہے ان مذکورہ اشیاء میں تصرف کرنا شروع کر دے۔ چاہے اس سے پہلے کسی اُور شخص کا قبضہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک آدمی کی زوجہ کو قوم کا ہر فرد جب چاہے، اپنے تصرف میں لا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص کا ہر شے میں حقِ تصرف مساوی ہے۔ ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اگر حکومت روکے تو ان کے حقِ تصرف کو سلب کرنا ظلم ہے۔ اُور قانون بھی ٹوٹتا ہے۔ اُور اگر نہ روکے تو زمین میں ایک عظیم فساد کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ اِسی فساد کی اصلاح کے لیے خدا تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اگر انسانی عقل ہی نظام کے لیے کافی ہوتی تو پھر ارسالِ انبیاء کی ضرورت نہ ہوتی۔

چہارم:۔ اگر کوئی شخص اشیائے مذکورہ بالا میں جو ارباب حکومت کے تصرف میں ہیں ان میں

بلا اجازت اِن پر قبضہ کرے تو کیا اربابِ حکومت اس کو روا رکھیں گے۔ اَور گوارا کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ تو کیوں اس لیے ہر شخص کا افرادِ قوم میں سے ہر شے پر خواہ کسی کی ہو۔ اربابِ حکومت ہوں یا کوئی اَور یکساں ہر شے میں حقِ تصرف مساوی ہے۔ کسی کی تخصیص نہیں۔

پنجم: اگر بالفرض قوانین مذکورہ بالا پر عمل کیا جائے تو پھر ہر شخص کی محرمات ابدیہ کے علاوہ اس کی زوجہ پر بھی ہر شخص کا حقِ تصرف ثابت ہوگا۔ تو پھر حلال و حرام، حلال زادہ حرام زادہ میں کیا فرق ہوگا۔ کچھ بھی نہ ہوگا۔ کسی کی نسل صحیح نہ ہوگی۔ حرام زادگی کے علاوہ دیوثی کا بازار بھی گرم ہوگا۔ اخلاقِ حسنہ کا نام و نشان نہ ہوگا۔ بدمعاشی سے فتنہ و فساد کا دور دَورہ ہوگا۔ ان قوانین کے حامیوں سے کوئی پوچھے کہ جب خدا تعالیٰ کی ہستی اَور خالقیت وغیرہ شرائع کے قائل نہیں تو بتائیے آپ ماں۔ بہن اَور بیٹی میں کیا فرق کریں گے۔

ششم: جب یہ لوگ دہریہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت خالقیت رزاقیت اَور قیامت وغیرہ کے قائل نہیں تو پھر ان میں خدا ترسی یا رغبتِ ثواب یا خوفِ عذاب نہ ہوگا۔ اَور خواہشاتِ نفسانیہ کا زور ہوگا۔ تو وُہ بلا خوف بدمعاشی کا ارتکاب کریں گے۔ چنانچہ اربابِ حکومت ہی سب سے زیادہ حصّہ اس میں لیں گے۔ تو پھر مساوات کہاں رہے گی۔ اَور ابھی تجربہ کرکے دیکھ لیجیے۔ جہاں اس کا چرچا ہے۔ وہاں حکومت نے رعایا کو قید کر رکھا ہے۔ املاک جبراً سلب کر لیے ہیں۔ ذرا کسی نے انکار کیا مار مار کر کچومر نکال دیا سخت سے سخت سزا دی، ان کی ساری آزادی چھین رکھی ہے۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اَور وُہ بے چارے بے بس ہیں۔

روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسلام نے بڑے اہم پروگرام بنائے ہیں۔ جب سوسائٹی غیر منظم ہو تو خیرات پر زور دیا ہے اور ساتھ ہی زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی بہترین تقسیم کی صورت پیدا کی ہے۔ یہاں تک زور دیا ہے کہ قرب و جوار کے ننگوں اور بھوکوں کو کھانا کپڑا دینے کو اللہ تعالےٰ نے خود اللہ کو کھانا کپڑا دینے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، میں بھوکا تھا۔ تم نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا۔ اِس پر آدمی کہے گا۔ اے اللہ تو بھوک سے بے نیاز ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ تو بھوکا ہو، اللہ تعالےٰ کہے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا۔ تو گویا میں ہی بھوکا تھا۔ ان کو تم نے کھانا نہیں دیا تو گویا مجھے نہیں دیا۔ اِسی روٹی کے مسئلے پر زور دینے کے لیے اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ (مخلوق اللہ کا خاندان ہے) کا مسئلہ پیش کیا گیا، یہاں ایک اَور اصولی بات کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ قرآن کی ایک آیت ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا زمین پر کوئی ذی حیات چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔

اِس کا مطلب عام طور پر یہ لیا جاتا ہے۔ کہ رزق کی فکر فضول ہے۔ کیوں کہ اس کی ذمہ داری اللہ نے لے لی ہے۔ اِس آیت کا رائج الوقت مطلب توظاہراً غلط ہے۔ کیوں کہ ۱۹۴۳ء میں بنگال کے قحط میں ۴۵ لاکھ آدمی بھوک سے مر گئے۔ ان میں مسلم و مشرک نیک و بد عورت اور بچے سب ہی تھے۔ معلوم ہُوا کہ جو مطلب آیت کا لیا گیا ہے۔ وُہ غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر رزق کی ذمہ داری ضرور ہے۔ مگر یہ ذمہ داری خلافتِ الٰہیہ کے ذریعے پوری کی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" ہم نے زمین پر انسان کو اپنا نائب بنایا۔

پس زمین میں خلافتِ الٰہیہ قائم کرنی چاہیئے اور اس خلافتِ الٰہیہ پر رزق کی ذمہ داری آتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ذمہ داری انسان پر بحیثیت مجموعی عاید ہوتی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وُہ قوانین الٰہیہ کے مطابق اپنا نظام درست کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا۔ تو بنی نوع انسان میں روٹی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اور ہر انسان کے رزق کی ذمہ داری قانونِ الٰہی کے مطابق پوری ہوتی رہے گی۔ لیکن اگر انسان نے بغاوت کی اور اللہ کے خلاف نظامِ طاغوتی بنانا شروع کر دیا تو ذمہ داری پوری کرنے والوں کی مشینری ٹوٹ جاتی ہے۔ اور بھوک کی مصیبت عذاب بن کر نازل ہوتی ہے۔ سوسائٹی کو سزا ملتی ہے۔ قحط واقع ہو جاتا ہے۔ اور لوگ مرتے ہیں۔ قحط عموماً بلکہ ہمیشہ انسان کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ جو قحط برسات کی کمی کے باعث پڑتا ہے۔ اس کی ذمہ داری بھی انسان پر عائد ہوتی ہے۔ کیوں کہ وُہ دوسرے ذرائع آبپاشی استعمال نہیں کرتا۔ الغرض اللہ تعالےٰ نے خلافت الٰہیہ کے قوانین بنا دیئے ہیں ان پر عمل کرنے کے بعد دُنیا میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا۔

اسلام نے روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نظامِ زکوٰۃ نافذ کیا جس پر اگر کما حقہٗ عمل کیا جائے تو پوری قوم کی معاشی اور اقتصادی حالت سدھر سکتی ہے۔ کوئی نادار غریب فقیر مسکین اور یتیم ایسا نظر نہ آئے گا۔ جس کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا میسّر نہ ہو۔ جب روٹی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ تو پوری قوم کی قوّتِ کارکردگی میں اضافہ ہوگا۔ اور مُلکی دولت بڑھے گی۔ جسمانی قوّت میں اضافہ ہوگا۔ معاشرہ اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہو جائے گا۔

گداگری کا خاتمہ :۔ اگر نظامِ زکوٰۃ صحیح طور پر رائج کیا جائے تو بھیک کا خاتمہ ہو سکتا ہے

بھیک اور گداگری معاشرے کے لیے ایک رِستا ہوا ناسور ہے۔ جن لوگوں کو بھیک مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ وُہ نکمّے اور کاہل ہو جاتے ہیں۔ ملکی دولت میں اضافے کی بجائے قوم اور ملّت کے لیے ایک اچھا خاصہ بوجھ بن جاتے ہیں۔ ان کے نکمّہ ہونے کی بنا پر اربابِ اقتدار کے لیے گوناگوں مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کہیں ان کی رہائش اور خوراک کا مسئلہ ہے تو کہیں ان کے روزگار کا، پھر یہ بات بھی ہے۔ کہ جو کم ہمّت اور کام چور قسم کے لوگ ہوتے ہیں وُہ ان گداگروں کی دیکھا دیکھی بھیک مانگنے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور اس طرح ناجائز طور پر سوال کرنے والوں کا ایک لمبا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس کے خاتمے کا علاج یہ بتایا کہ زکوٰۃ بیت المال میں اکٹھی کی جائے اور حاکمِ وقت اس کو اپنی نگرانی اور قبضے میں رکھے اور مستحق ناداروں اور مساکین میں اس فراہم شدہ زکوٰۃ کے مال کو تقسیم کرنے کا انتظام کرے، جب غربا اور فقراء کی بن مانگے ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ تو بھیک مانگنے کی نوبت نہ آئے گی۔ اور گداگری کا ناجائز پیشہ معاشرے میں سرایت نہ کرے گا۔ جب گداگری ختم ہوگی، تو ملک کی مجموعی دولت میں اضافہ ہوگا۔ معاشرہ کئی قسم کی برائیوں سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن یہ صرف اس صورت میں ہے۔ کہ بھیک مانگنے والے بھی سوچیں۔ کہ جو ہم نے زکوٰۃ کا مال لیا ہے تو اب اس سے ہم اپنی معاشی زندگی کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کریں، اپنے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کی فکر کریں اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس رقم میں سے کچھ پس انداز کر کے اس سے کوئی چھوٹا موٹا ذریعہ آمدنی پیدا کریں تاکہ آئندہ سال زکوٰۃ لینے کی بجائے دینے کے قابل ہو جائیں۔

مال میں زیادتی

اگر آپ پورے غور و خوض سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس کے دائرے میں وُہ رہتا ہے۔ آپ کے پاس جو دولت ہے۔ اگر آپ اس میں سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں تو یہ دولت چکر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ آپ کے پاس پلٹ آئے گی۔ اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمع رکھیں گے۔ یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر خرچ کریں گے، تو بالآخر گھٹتی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے تعلیم دلا کر اس قابل بنا دیا کہ وُہ آپ کی جماعت کا ایک کمانے والا فرد بن جائے۔ تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا اور ظاہر ہے کہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی۔ تو آپ جو جماعت کے ایک فرد ہیں آپ کو بھی اس دولت میں سے حصّہ بہرحال ملیگا۔

لیکن اگر آپ نے خود غرضی اور تنگ نظری سے کام لیا اور یہ کہا کہ میں اس کی مدد کیوں کروں، اس کے باپ کو چاہیئے تھا کہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑ کر مرتا تو وُہ آوارہ پھرے گا۔ ایک بیکار آدمی بن کر رہ جائے گا۔ اس میں قابلیت ہی پیدا نہ ہوسکے گی۔ کہ اپنی محنت سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کرسکے بلکہ کچھ عجیب نہیں کہ جرائم پیشہ بن جائے۔ اور ایک روز خود آپ کے اپنے گھر میں نقب لگائے۔ اس ایک مثال پر قیاس کرکے آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لیے روپیہ صرف کرتا ہے۔ اس کا روپیہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے۔ مگر باہر وُہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں وُہ بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی کی جیب میں واپس آتا ہے۔ لیکن جو خود غرض انسان روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے۔ اور جماعت کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا۔ وُہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے۔ مگر حقیقت میں اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسی راز کو خدا تعالےٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ — اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

تم جو سود دیتے ہو اس غرض کے لیے کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائے تو دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی البتہ جو زکوٰۃ تم محض خدا کی رضا کے لیے دو وُہ دگنی چوگنی ہوتی چلی جاتی ہے۔

حدیث پاک میں ارشادِ نبوی ہے۔ کہ جو شخص حلال کی کمائی میں سے کھجور کے برابر صدقہ دے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں قبول فرماتا مگر حلال کو تو اُسے اللہ تعالےٰ دستِ راست سے قبول فرماتا ہے۔ پھر اُسے اس کے مالک کے لیے پرورش کرتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی تربیت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وُہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جو اپنے مال و دولت میں اضافے کا خواہاں ہو وُہ شریعت مطہرہ کے مطابق اپنے مال کی صحیح اور مکمل زکوٰۃ ادا کرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زکوٰۃ دینے سے مال آفات و بلیات سے محفوظ ہی نہیں رہتا بلکہ اس میں خیر و برکت بھی ہوتی ہے۔ اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کیوں کہ یہ قدرتی بات ہے۔ کہ خرچ کرنے سے چیز بڑھتی ہے۔ اگر عالم اپنا علم خرچ نہ کرے۔ تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اگر کنوئیں میں سے پانی

خرچ نہ کیا جائے تو پانی گندہ ہو جاتا ہے۔ اگر درختوں کی کچھ شاخیں کاٹی نہ جائیں تو آئندہ پھل کم آئیں گے۔ اسی طرح اگر مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو اس مال کی ترقی رُک جائے گی۔

عذاب سے نجات

زکوٰۃ ادا کرنے سے اس دردناک عذاب سے نجات مل جاتی ہے۔ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَاکَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَاکُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ

جو لوگ سونا اور چاندی جوڑ کر رکھتے ہیں۔ اور خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اِن کو دردناک عذاب کا مژدہ سنادو جس دن تپایا جائے گا۔ سونا اور چاندی دوزخ کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اِن کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ تھا جو تم نے جوڑ کر رکھا تھا اپنی جانوں کے لیے سو چکھو جو جوڑ کر رکھتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے چاندی کا مالک ہو اس کا حق ادا نہ کرے تو جب قیامت کا دن ہوگا۔ اس کے لیے آگ کے پترے بنائے جائیں گے۔ اور ان پر جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ اور ان سے اس کی کروٹ پیشانی اور پیٹھ داغی جائیگی۔ جب ٹھنڈے ہونے پر آئیں گے پھر ویسے ہی کر دیئے جائیں گے۔ یہ معاملہ اس دن کا ہے۔ جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے اب وہ اپنی راہ دیکھے گا، خواہ جنت کی طرف جائے یا جہنم کی طرف اور اونٹ کے بارے میں فرمایا جو اس کا حق ادا نہ کرے قیامت کے دن ہموار میدان میں لٹا دیا جائے گا۔ اور وہ اونٹ سب کے سب نہایت فربہ ہو کر آئیں گے۔ پاؤں سے اُسے روندیں گے۔ اور منہ سے کاٹیں گے۔ جب ان کی پچھلی جماعت گزر جائے گی تو پہلی لوٹے گی۔ اور گائے اور بکریوں کے بارے میں فرمایا کہ اس شخص کو ہموار میدان میں لٹا دیا جائے گا۔ اور وہ سب کی سب آئیں گی۔ ان میں مڑے ہوئے سینگ والی، ٹوٹے ہوئے سینگ والی اور بے سینگ کے کوئی نہ ہوگی۔ (بلکہ سب کے سیدھے سینگ ہوں گے) اور سینگوں سے ماریں گی۔ اور کھروں سے روندیں گی۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی صورت میں کر دیا جائے گا۔ وہ سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ پھر اس کی باچھیں پکڑے گا۔ اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں۔ تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد حضور علیہ السلام نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو لوگ بخل کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا وہ یہ گمان نہ کریں کہ اُن کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ یہ اُن کے لیے بُرا ہے اِس چیز کا قیامت کے دن اُن کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا۔ جس کے ساتھ بخل کیا۔

خیال رہے کہ سانپ جب ہزار برس کا ہوتا ہے تو اس کے سر پہ بال نکلتے ہیں اور جب دو ہزار برس کا ہوتا ہے۔ وہ بال گر جاتے ہیں، یہ معنی ہیں گنجے سانپ کے کہ آتنا پُرانا ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مالداروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھوں خرابی ہے۔ محتاج عرض کریں گے۔ ہمارے حقوق جو تو نے ان پر فرض کیے تھے انہوں نے ظلماً نہ دیئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تمہیں اپنا قرب عطا کروں گا اور انہیں دور رکھوں گا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا: فقیر ہرگز ننگے بھوکے ہونے کی تکلیف نہ اٹھائیں گے۔ مگر مالداروں کے ہاتھوں۔ سُن لو ایسے تونگروں سے اللہ تعالیٰ سخت حساب لے گا۔ اور انہیں دردناک عذاب دے گا۔

دُعائے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث میں وارد ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے صدقات دربارِ عالی میں حاضر کرتے تو رسولِ خدا ان کے حق میں دعائے رحمت و برکت کرتے اگرچہ اب ہم خستہ نصیبوں کو یہ دولت بیدار کہاں حاصل، مگر رحمتِ الٰہی و عنایت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے امید واثق ہے۔ کہ حضور کی دُعا سے بالکل محروم

نہ رہیں گے۔ اگرچہ ہم اس جناب تک نہیں پہنچتے، تو ہمارے اعمال تو آپ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔

؎ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

اور اگر غور کیا جائے تو اس دولت سے کوئی چیز زیادہ نہیں، سلطنت ہفت کشور بھی اس نعمت عظمیٰ کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ کیوں کہ حضور علیہ السلام کی دُعا سے گنہگاراں امت کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ اور حضور رب کے محبوب ہیں۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حضور اپنی امت کے لیے دُعا مانگیں اور بارگاہِ خداوندی میں قبول نہ ہو۔

اجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دُعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دولتِ تقویٰ

زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کے اندر صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والا متقی اور صالح بن جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے متقیوں کی علامات بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ متقی وہ لوگ ہیں کہ بے دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جو ہم نے انہیں دیا اس سے خرچ کرتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی علامتِ تقویٰ ہے۔ اور تقویٰ قربِ الٰہی کی علامات ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

نیز تقویٰ دخولِ جنت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

سَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے اور وہ جنت متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

ثابت ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا جنتی ہے۔ چنانچہ نسائی شریف کی حدیث ہے۔ کہ نبی

پاک علیہ السلام نے فرمایا جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہے۔ اور رمضان کا روزہ رکھتا ہے۔ اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ اور ساتوں کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور اس سے کہا جائے گا۔ کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوجا۔

بخل سے نجات

زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کے دل سے بخل اور کنجوسی دور ہو جاتی ہے۔ اور عام خیرات اور سخاوت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ جب بعض مال ارشادِ خداوندی کی تعمیل میں اس کی راہ میں خرچ کر دیا۔ خواہ بسبب خوف الٰہی خواہ جذبہ محبت سے سرشار ہو کر اور نفس نے اس فعل کو گوارا کر لیا، تو پھر اپنی خوشی سے بھی اور مال خرچ کر سکتا ہے۔ اور جب فرض ادا نہ کیا تو نفلی صدقہ کو کب دل چاہے گا۔ اور ایک سختی دل میں پیدا ہو جائے گی۔ جس کے سبب بخل روز بروز بڑھتا رہے گا۔ اور کیا عجب کہ یہی بخل اپنی انتہا کو پہنچے۔ اور قارون کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھا جائے۔ پس زکوٰۃ پانی کا حکم رکھتی ہے کہ دل کو نجاستِ بخل سے پاک کرتی ہے۔ جب انسان اس بری خصلت سے پاک ہو گیا تو اب اس میں جود و سخا کی عادت راسخ ہو گئی۔ اس کی سخاوت کی شہرت دور دور تک پھیلے گی۔ اور فقراء اور غرباء اس کے مال میں ترقی کے لیے دست بدعا ہوں گے۔ علاوہ ازیں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب حاجتمندوں کی حاجتیں پوری ہو جائیں تو ان کے دل سے اپنے محسن کے لیے طرح طرح کی دعائیں نکلتی ہیں کوئی اس سخی کی صحت کے لیے دعا مانگتا ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ انہیں حاجتمندوں میں کوئی ایسا مقبول بندہ بھی ہو جس کی دعا سے اس کو مغفرت جیسی دولت سے ہمکنار کر دیا جائے، ویسے بھی حدیث میں آتا ہے کہ سخی اللہ تعالیٰ، جنت اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔ اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ زکوٰۃ انسان کی نجات کا پیغام لے کر آتی ہے۔

قانونِ قدرت پر عمل

قدرت نے ہر چیز سے زکوٰۃ لی ہے۔ بیماری تندرستی کی زکوٰۃ ہے۔ نیند بیداری کی زکوٰۃ

ہے۔ مصائب و آلام راحتوں کی زکوٰۃ ہے۔ کھیتوں میں کچھ غلہ کا برباد ہوجانا اور پرندوں کا کھاجانا یہ پیداوار کی قدرتی زکوٰۃ ہے۔ اگر کوئی اپنے مال کی زکوٰۃ نہ ادا کرے تو وہ قانونِ قدرت کی مخالفت کرتا ہے۔ پس زکوٰۃ کی فرضیت قانونِ قدرت پر عمل کرنے کے لیے ہے۔

حفاظتِ مال

زکوٰۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مال بربادی اور ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اور اس میں ہمیشہ برکت رہتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے بظاہر جیب خالی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں بھرتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خشکی اور تری میں جو مال ضائع ہوتا ہے۔ وہ زکوٰۃ نہ دینے سے تلف ہوتا ہے۔

موجبِ حبِ خدا و مصطفٰے

جس طرح حکومت مال سے ٹیکس لیتی ہے کہ اس کے ادا کیے بغیر آدمی حکومت کا باغی قرار پاتا ہے۔ حکومت یہ کہتی ہے کہ جب ہم تمہاری ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں، تمہارے آرام کے لیے ہر قسم کے محکمے بنا دیئے ہیں، تو کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں کہ ہم تمہارے مال سے کچھ لیں۔ اسی طرح جب اللہ تعالےٰ نے ہماری ہر طرح پرورش فرمائی، ہمارے آرام کے لیے ہزاروں ملائکہ وغیرہ کے محکمے بنائے تو کیا اس کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہمارے مال سے کچھ طلب فرمائے۔ بلکہ حق تو یہ ہے۔ کہ مال بھی اسی کا ہے اور ہم بھی اسی کے، یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں مال دیا اور خود ہم سے لے کر ہمیں ثواب دیا، انسان کی فطرت میں محبت ہے۔ مگر بعض محبتیں مفید ہیں اور بعض بیکار اور بعض نقصان دہ، خدا اور مصطفٰے کی محبت مفید ہے۔ دُنیا کی ہر چیز کی محبت بے کار، شیطانی چیزوں سے محبت نقصان دہ، اسلام نے پہلی محبت بڑھانے کے لیے عبادات رکھیں، جن کا چرچا جس کی اطاعت زیادہ ہو، اس سے محبت بڑھانے کے لیے عبادات رکھیں۔ آخری دو محبتوں کو گھٹانے کے لیے بہت ذریعے قائم کیے۔ زیارتِ قبور کرو تاکہ محبتِ دنیا کم ہو وغیرہ

انہی اسباب میں سے ایک سبب زکوٰۃ ہے کہ انسان اپنی کمائی اپنے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کے نام پر دے تاکہ محبتِ مال دِل میں نہ آنے پائے۔ اور خدا و مصطفیٰ کی محبت دِل میں پیدا ہو۔

جذبہ شکر نعمت

زکوٰۃ کی ادائیگی سے شکرِ نعمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب انسان اپنے آپ کو غنی اور دولتمند پاتا ہے۔ اور دوسرے مسلمان بھائی کو محتاج دیکھتا ہے۔ تو خیال کرتا ہے۔ کہ یہ بھی خدا کا بندہ ہے۔ اور میری طرح اسکی توحید اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے۔ حشر و نشر عذاب و ثواب حساب و کتاب پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن مجھے پروردگار نے غنی کیا اور اِس کو محتاج بنایا، اس کی خدمت مجھ پر ضروری ہے۔ اگر میں زکوٰۃ و صدقات سے اس کی امداد نہ کروں گا، تو ہو سکتا ہے۔ کہ معاملہ برعکس ہو جائے اور میں اس کی طرح محتاج ہو جاؤں۔ یہ خیال اس کے اندر جذبہ شکر نعمت کو فروغ دیتا ہے۔ اور اس کو ہر نعمتِ الٰہی پر شکر کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شکر گزار بندہ بن جاتا ہے اور یہ شکر گزاری کی عادت اس کے لیے مزید نعمتوں کا موجب بنتی ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:-

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ   اگر تم شکر گزار بنوگے تو میں تمہیں ضرور زیادہ دوں گا۔

لہٰذا جو آدمی چاہے کہ خدا تعالیٰ اس پر ہمیشہ اپنے انعام و اکرام کی بارش کرتا رہے اُسے چاہیے کہ وُہ عام صدقہ و خیرات کی عادت ڈالے خدا کے دیئے ہوئے رزق میں اسکی راہ میں خرچ کرے، سال گزار نے پر اپنے مال کی باقاعدہ حساب کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرے۔ کیوں کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا اللہ کے دیئے ہوئے مال کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وُہ خدا کے ناشکر گزار بندے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے یہ مال و دولت ہمیں اسی خُدا نے دی ہے۔ ورنہ ہم اس دُنیا میں مال لیکر نہیں آئے یہ سب کچھ ہمیں اسی خالق حقیقی نے دیا۔

امداد باہمی کا جذبہ

اسلام کا مقصد یہ ہے۔ کہ دولت کسی جگہ جمع نہ ہونے پائے۔ وُہ چاہتا ہے کہ جماعت کے جن افراد کو اپنی بہتر قابلیت یا خوش قسمتی کی بنا پر ان کی ضرورت سے زیادہ دولت میسّر آگئی ہو وُہ اس کو سمیٹ کر نہ رکھیں، بلکہ خرچ کریں اور ایسے مصارف میں خرچ کریں۔ جن سے دولت کی گردش میں سوسائٹی کے کم نصیب

افراد کو بھی کافی حصہ مل جائے۔ اس غرض کے لیے اسلام ایک طرف اپنی بلند اخلاقی تعلیم اور ترغیب و ترہیب کے نہایت موثر طریقوں سے فیاضی اور حقیقی امداد باہمی کی اسپرٹ پیدا کرتا ہے۔ تاکہ لوگ خود اپنے میلانِ طبع ہی سے دولت جمع کرنے کو برا سمجھیں اور اسے خرچ کر دینے کی طرف راغب ہوں، دوسری طرف وہ ایسا قانون بناتا ہے کہ جو لوگ فیاضی کی اس تعلیم کے باوجود اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے روپیہ جوڑنے اور مال سمیٹنے کے خوگر ہیں یا جن کے پاس کسی نہ کسی طریقے سے مال جمع ہو جائے ان کے مال میں سے بھی کم از کم ایک حصہ سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے لیے ضرور نکلوا لیا جائے۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے۔ جو شخص دولت جمع کرتا ہے اسکی دولت اس کے لیے حلال ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ زکوٰۃ نہ ادا کرے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (القرآن)

ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرو اور اس کے ذریعے سے ان کو پاک اور صاف کر دو۔

لفظ زکوٰۃ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مالدار آدمی کے پاس جو دولت جمع ہوتی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں ایک نجاست ہے اور وہ پاک نہیں ہو سکتی جب تک اس کا مالک اس میں سے ہر سال کم از کم ڈھائی فیصد راہِ خدا میں خرچ نہ کرے۔ "راہِ خدا" کیا ہے؟ خدا کی ذات تو بے نیاز ہے۔ اس کو نہ تمہارا مال پہنچتا ہے نہ وہ اس کا حاجت مند ہے۔ اس کی راہ بس یہی ہے کہ تم خود اپنی قوم کے تنگ دست لوگوں کو خوش حال بنانے کی کوشش کرو۔ اور ایسے مفید کاموں کو ترقی دو جن کا فائدہ ساری قوم کو حاصل ہوتا ہے۔ حکم خداوندی ہے:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

صدقات تو دراصل فقراء اور مساکین کے لیے ہے اور ان کارکنوں کے لیے جو صدقات کی تحصیل پر مقرر ہوں۔ اور ان لوگوں کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ اور لوگوں کی گردنیں بندِ اسیری سے چھڑانے کے لیے اور قرضداروں کے لیے اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے اور مسافروں کے لیے۔

یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے۔ یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کے لیے بیکاروں کا سرمایۂ اعانت ہے۔ یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں اور بیواؤں کا ذریعہ معاش ہے:

اور ان سب سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکرِ فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادھا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو۔ تو دوسروں کی مدد کرو۔ کل تم نادار ہو گئے۔ تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا۔ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا حشر ہو گا۔ کوئی آفت ناگہانی آپڑی، بیمار ہو گئے، گھر میں آگ لگ گئی، سیلاب آگیا، دیوالیہ نکل گیا تو ان مصائب سے خلاصی کا کیا ذریعہ ہو گا۔ ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تم کو ہمیشہ کے لیے بے فکر کر دیتی ہے۔ تمہارا کام بس اتنا ہے۔ کہ اپنی پس انداز کی ہوئی دولت سے اڑھائی فیصد دے کر اللہ تعالیٰ کی انشورنس کمپنی میں اپنا بیمہ کرالو۔ اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ان کے کام آئے گی۔ جو اس کے ضرورت مند ہیں کل جب تم ضرورت مند ہو گے یا تمہاری اولاد ضرورت مند ہو گی تو نہ صرف تمہارا اپنا دیا ہوا مال بلکہ اس سے بھی زیادہ تم کو مل جائے گا۔

حصولِ محبت کا ذریعہ

انسان کو اپنا مال بہت محبوب ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ دنیاوی عیش و آرام کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس سے اس حد تک محبت کرتے ہیں کہ وہ موت سے نفرت کرنے لگتے ہیں باوجود کہ موت محبوبِ حقیقی کے ساتھ ملاقات کا ذریعہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کا امتحان اس محبوب چیز یعنی مال و دولت میں لیا ہے۔ کہ جو شے تمہاری منظورِ نظر ہے اس کو ہماری راہ میں خرچ کر دو اور یہ امتحان اس لیے لیا گیا تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کون ایسا ہے جس کے دل میں مال کی محبت کی بجائے ہماری محبت راسخ ہے۔ جو لوگ مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دیتے ہیں اور اپنے قیمتی مال کو اس کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتے ہیں اور اللہ کی محبت کا دریا انکے قلوب میں موجزن ہوتا ہے۔

جان کی نسبت مال ادنیٰ حیثیت رکھتا ہے۔ تو جو لوگ ادنیٰ مال کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کر سکتے اِن سے یہ اُمید کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ کہ وقت آنے پر اس کی راہ میں اپنی قیمتی جان قربان کر ڈالیں گے لہٰذا ادائیگی زکوٰۃ بڑی قربانی کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔ زکوٰۃ انسان میں جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کہ

اگر وقت آجائے تو گھر کا سارا مال بھی راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے، جیسے کہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ حضور نبی کریم علیہ السلام نے ایک روز صحابہ کرام کو راہِ خدا میں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تو فاروقِ اعظم اپنے گھر کا آدھا مال بارگاہِ رسالت میں لے کر حاضر ہوئے اور صدیق اکبر اپنے گھر کا سب مال رسولِ خدا کی بارگاہ میں لے کر آئے۔ حضور علیہ السلام نے فاروقِ اعظم سے پوچھا کہ گھر کیا چھوڑ کر آئے ہو، عرض کیا آدھا مال گھر چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور آدھا لے آیا ہوں، پھر صدیق اکبر سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا گھر کا سارا مال حاضرِ خدمت ہے، فرمایا گیا! گھر کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کی اَبْقَیْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی اہلِ خانہ کے لیے خدا اور اس کا رسول کافی ہے۔ دونوں جلیل القدر صحابہ کے الفاظ سُن کر آپ نے فرمایا! جتنا تم دونوں کے دونوں کلموں میں فرق ہے۔ تم دونوں میں اتنا ہی فرق ہے۔ غرضیکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدا و رسول کی محبت میں اپنا سارا مال قربان کر دیا۔

جو لوگ خدا کی محبت سے سرشار ہو کر اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں ان کے بارے میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ۔

اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں مال دے اپنے غریب رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور ایسے لوگوں کو جو بندے اسیری میں ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :-

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔

اور نیک لوگ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ زکوٰۃ اور راہِ خدا میں مال خرچ کرنا، خدا تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

آداب زکوٰۃ

اب زکوٰۃ کے کچھ آداب بیان کیے جاتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے والے کو ان باتوں کا خیال

رکھنا ضروری ہے ۔

اوّل

زکوٰۃ دینے والے کو چاہیئے کہ سال گزارنے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دے کیوں کہ سال کے اختتام پر دینا عذابِ الٰہی کے خوف کے سبب ہے ۔ اور پہلے دینا خدا کی محبت کی علامت ہے۔ خدا تعالیٰ نے نیک کاموں میں جلدی کرنے کا حکم دیا ہے ۔ اور یہ امر مسلّمہ ہے کہ جو چیز توقع سے پہلے حاصل ہو جائے اس سے فقیر کے دل میں زیادہ خوشی ہوتی ہے ۔ اور دل سے دُعا نکلتی ہے ۔ اور فقرا کی دُعا آفات و آلام سے بچاؤ کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتی ہے تاخیر سے ادائیگی میں یہ خدشہ ہے کہ شیطان حملہ کرنے اور نیت میں خلل ڈالدے ۔

دوم

اکٹھا دینا مقصود ہو تو رمضان میں دے کیوں کہ رسول خدا محبوبِ کبریا صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں جو کچھ پاس ہوتا سب کچھ راہِ خدا میں دے دیا کرتے تھے اور کچھ باقی نہ رکھتے تھے ۔

سوم

زکوٰۃ پوشیدہ دینی چاہیئے تاکہ انسان ریا اور شہرت سے بچا رہے ۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے ۔

اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ جُھْدُ الْمُقِلِّ اِلٰی فَقِیْرٍ فِیْ سِرٍّ — بہتر صدقہ یہ ہے کہ مفلس اور کم مایہ انسان محنت کر کے کسی فقیر کو خفیہ طور پر دے ۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ تین چیزیں خیرات کے خزانوں میں سے ہیں ۔ ان میں سے ایک صدقہ کا پوشیدہ طور پر دینا ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی کوئی خفیہ کام کرتا ہے ۔ تو خدا تعالیٰ اس کو خفیہ طور پر لکھتا ہے ۔ اور اگر وہ اس کو ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر میں نقل فرماتا ہے ۔ اور اگر

وہ شخص اپنے اس عمل کا تذکرہ دوسرے سے کرتا ہے تو اللہ لکھ دیتا ہے کہ اس نے یہ عمل ریا کے لیے کیا ہے

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا۔ اور اس دن سایہ صرف اللہ تعالیٰ کے عرش کا ہوگا۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہوگا کہ جس کے دائیں ہاتھ نے صدقہ دیا اور بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہونے دی۔ یعنی اس نے پوشیدہ طور پر صدقہ دیا۔

ایک حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

صَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ پوشیدہ صدقہ خدا تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیتا ہے

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اگر تم صدقے کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

پوشیدہ صدقہ دینے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان شہرت اور ریا سے بچ جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث ہے کہ خدا تعالیٰ شہرت والے اور ریا کار اور احسان جتانے والے کے صدقہ کو قبول نہیں کرتا۔ بعض اکابر نے پوشیدہ طور پر صدقہ دینے پر بہت زور دیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنا صدقہ سوتے ہوئے فقیر کے دامن میں باندھ دیتے تھے۔ تاکہ شہرت سے بچیں، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نابینا لوگوں کو صدقہ دیتے ہیں تاکہ وہ پہچانے نہ جائیں اور بعض فقراء کے راستے میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے مقصود شہرت اور نمود و نمائش سے محفوظ رہنا ہوتا ہے۔ کیوں کہ اگر صدقہ سے شہرت مقصود ہو تو عمل رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت حاصل نہیں کر پاتا۔ لیکن اگر کوئی اس نیت سے ظاہر کر کے زکوٰۃ یا صدقہ وغیرہ دے کہ دوسرے لوگوں کو بھی رغبت ہو تو یہ جائز ہے۔ بلکہ اگر کوئی اس کی طرف دیکھ کر صدقہ کرے گا۔ تو اس کو بھی اس کے صدقہ کرنے سے ثواب ملے گا۔

چہارم

جس کو زکوٰۃ دے اس پر نہ تو احسان جتلائے اور نہ اس فقیر کو ایذا دے۔ کیوں کہ ان باتوں سے ثواب باطل ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۔ اے ایمان والو! احسان اور ایذا سے اپنے صدقات ضائع نہ کرو۔

بلکہ ترش روئی، درشت گوئی اور تیوری چڑھانا جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ آدمی خوشی سے یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔ صدقہ دینے والے کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ فقیر نے مجھ پر احسان کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا حق مجھ سے وصول کر لیا ہے۔ جس سے میں اور میرا مال پاک ہوگیا۔ اور میں دوزخ سے نجات پا گیا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ خدا کے حق کے وصول کرنے کے لیے اس کی طرف سے قائم مقام کر دیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ فقیر اور سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے خدا تعالےٰ کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ میں تو اللہ کا حق دیتا ہوں اور فقیر جو اس صدقہ کو لیتا ہے۔ تو وہ خدا سے اپنا رزق لیتا ہے مگر پہلے یہ مال خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔ پھر فقیر کو ملتا ہے۔

اگر انسان یہ جانتا کہ ایک روپیہ کے بدلے دس یا دس ہزار روپے جمع ہوئے اور اس صدقے کے بدلے عذابِ دوزخ سے نجات پائی اور فردوسِ بریں ہاتھ آئی۔ تو اُسے وہ روپیہ صرف کرنا ہرگز ناگوار نہ گزرتا۔ بلکہ نہایت خوشی اور بطیب خاطر صدقہ دیتا اور جو اس سبب سے ترشروئی اور سخت کلامی کرتا ہے۔ کہ درویش اور فقیر کو حقیر اور اپنے آپ کو بہتر جانتا ہے۔ تو یہ بھی محض نادانی ہے۔ اس لیے کہ جو شخص فقیر اور نادار ہے۔ وہ امیر اور رئیس سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائے گا۔ اور اس عالم میں خدا کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور اُس جہان میں اُسے مال کی وجہ سے پیدا شدہ آفتوں سے محفوظ رکھا جائیگا۔ صدقہ قبول کرنے والے فقیر کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص کسی بیمار کے بدن سے موادِ فاسد نکال کر اُسے بیماری کی شدت سے بچالے تو یہ اس بیمار کے لیے ایک احسانِ عظیم ہوگا۔ اسی طرح فقیر کا صدقہ قبول کرکے صدقہ دینے والے کو بخل کی نجاست اور دوزخ سے بچا لینا احسانِ عظیم ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے نہ تو کسی سے نیکی کی اور نہ کسی سے برائی کی، جو کچھ مجھ سے صادر ہوا، میرے نفس کے لیے ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا جس نے کوئی نیک عمل کیا تو اپنے لیے اور برا عمل کیا تو اپنے لیے۔

بعض اللہ کے نیک بندے فقراء کے سامنے ادب سے کھڑے ہو کر کہتے ہیں۔ کہ یہ صدقہ قبول فرمالیجیے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جب کسی فقیر کو صدقہ بھیجتیں تو پوچھ لیتیں کہ کیا اس فقیر نے کوئی دُعا دی ہے۔ جو وُہ دُعا دیتا آپ بھی اس کے حق میں وہی دُعا مانگتیں، تاکہ صدقہ کا ثواب خالص اور بے عوض رہے۔ غرضیکہ پہلے لوگ فقیر سے دُعا کی توقع بھی نہ رکھتے تھے اس لیے کہ دُعا بھی ایک مکافات کی صورت ہے۔ اگر کوئی اِن کے لیے دُعا کرتا تو ویسی ہی دُعا اس کے لیے خود کر دیا کرتے تھے۔ پس صدقہ دینے والے کو احسان کے درپے نہیں ہونا چاہیئے، کیوں کہ حدیث پاک میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَدَقَۃَ مَنَّانٍ — اللہ تعالےٰ احسان جتلانے والے کا صدقہ قبول نہیں کرتا۔

پنجم

اپنے مال میں سے صدقے کے لیے وُہ چیز چھانٹ کر نکالے جو عمدہ پاکیزہ اور قیمت کے لحاظ سے اعلیٰ ہو۔ جو لوگ کسی غریب کو دینے کے لیے پھٹے پُرانے کپڑے تلاش کرتے ہیں۔ یا کسی فقیر کو کھلانے کے لیے بدتر سے بدتر کھانا نکالتے ہیں۔ اِن کو بس ایسے ہی اجر کی خُدا سے بھی توقع رکھنی چاہیئے۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ صدقہ کا مال اگر عمدہ نہ ہوگا تو یہ بے ادبی ہے کہ اپنے اہل خانہ کے لیے تو اچھا مال رکھتے۔ اور خُدا تعالےٰ کے لیے ناقص دے۔ انسان کو صدقہ دیتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ جیسی اچھی چیز وُہ دے ایسا ہی اچھا اجر اس کو خدا کی بارگاہ سے دیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ۔

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔ اس میں سے اچھا مال خُدا کی راہ میں دو یہ نہ کرو کہ خُدا کی راہ میں دینے کے لیے بُرے سے بُرا تلاش کرو۔

مطلب یہ کہ خُدا کی راہ میں ایسی چیز مت دو جو اگر تمہیں دی جائے تو تم کراہت کرنے لگو اور اس کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھو۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک درہم لاکھ درہموں سے سبقت لے جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسان اِس ایک درہم کو اپنے نہایت عمدہ مال میں سے نکالتا ہے۔ اور خوشی اور رضامندی

سے زیادہ ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں بلکہ ان کا طریقہ ان دونوں کے بیچ میں ہے۔

زکوٰۃ کن لوگوں کو دینی چاہیئے

اپنی زکوٰۃ اور صدقات خیرات ان لوگوں کو دینی چاہیئے جن میں مندرجہ ذیل صفات ہوں۔

اوّل

زکوٰۃ دینے والا ایسے لوگوں کو تلاش کرے جو متقی اور پرہیزگار ہوں اور دنیا سے روگردانی کر کے صرف آخرت کی تجارت میں مشغول ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:-

لَا تَاْکُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِیٍّ وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔

مت کھا بجز پرہیزگار کے کھانے کے اور نہ کھائے کوئی تیرا کھانا سوائے پرہیزگار کے۔

(الحدیث)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پرہیزگار کھانا کھائے گا۔ تو یہ کھانا اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تقویت دے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوش اسلوبی سے ادا کرے گا۔ اور اس طرح کھانا کھلانے والے کو بھی اس کی عبادت سے حصہ ملے گا۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اپنے کھانے کے لیے اس شخص کی ضیافت کرو جس سے تمہیں اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت ہو۔

سے دے دیتا ہے۔ اور کبھی لاکھ درہم ایسے حال میں سے نکلتا ہے۔ جس کو یہ خود بھی بُرا جانتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وُہ محبوب چیز خدا کی راہ میں قربان نہیں کرنا چاہتا۔ اسی لیے خُدا تعالےٰ ایسے لوگوں کی مذمت فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ

اور اللہ کا حصہ وُہ کچھ ٹھہراتے ہیں جن سے وُہ خود کراہت کرتے ہیں اور یہ کہ ان کی زبانیں جھوٹ کا ارتکاب کرتی ہیں۔ کہ ان کا انجام اچھا ہوگا۔ بلاشبہ ان کا انجام دوزخ ہے۔

ششم

کم عقل اور نادان لوگوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ نہ دیا جائے۔ کہ بگڑ جائیں۔ اور بُری عادتوں میں پڑ جائیں۔ بلکہ ان کو جو کچھ دیا جائے ان کی حیثیت کے مطابق دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔ کہ پیٹ کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تو ہر بُرے سے بُرے اور بدکار سے بدکار کو بھی ملنا چاہیئے۔ مگر عیاشی بدمعاشی اور شراب نوشی کے لیے کسی کو پیسہ نہ دینا چاہیئے۔ حکم خداوندی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ۔

اپنے اموال جن کو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو البتہ ان اموال میں سے ان کو کھانے اور پہننے کے لیے دو۔

ہفتم

آدمی کو خیرات کرنے میں حد سے نہ گزرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر سب کچھ خیرات کر ڈالا جائے۔ بلکہ وُہ چاہتا ہے کہ سیدھے سادھے طریقے سے زندگی بسر کرنے کیلئے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے۔ اتنا ہی اپنی ذات پر اور اپنے بچوں پر صرف کرے اور باقی جو بچے اسے خدا کی راہ میں دے۔ خُدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔

پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ اے نبی کہہ دو کہ جو ضرورت

بہر حال جو لوگ صرف خدا کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہوں ان کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جو خدا کی عبادت کی طرف رغبت نہ کریں۔ بلکہ شریعت کی مخالفت میں اپنی زندگی بسر کریں۔

دوم

اپنی زکوٰۃ کو اہلِ علم کو دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے لیے آج کل دینی مدارس جن میں قرآن وحدیث کی تعلیم ہوتی ہے۔ بہت موزوں ہیں۔ زکوٰۃ کے پیسے سے ان مدارس میں کتب دینیہ خریدی جاتی ہیں۔ اور جب تک وہ کتابیں پڑھائی جائیں گی، زکوٰۃ دینے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ اور ویسے بھی اہلِ علم کی امداد کرنا ان کو تحصیل علم پر تقویت پہنچانا ہے۔ جس سے علوم دینیہ کی ترقی اور ترویج ہوتی ہے۔ حضرت ابن مبارک اپنا صدقہ علماء پر خرچ کیا کرتے تھے کسی نے کہا کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اپنے صدقے کو عام کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نبوت کے درجے کے بعد کوئی درجہ علماء کے درجہ سے افضل نہیں جانتا، میں ان پر خرچ کر دوں گا تو وہ بے فکر ہو کر دین کی خدمت میں مشغول ہوں گے اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک علماء معاشی اور اقتصادی طور پر بے فکر نہ ہوں، تبلیغِ دین کما حقہ' نہیں کر سکتے اور نہ ہی تحصیلِ علم کے مراکز قائم ہو سکتے ہیں۔ پہلے زمانے میں اسلامی حکومتیں دینی مدارس کی پشت پناہی کیا کرتی تھیں۔ اور مدارس کے تمام مصارف خود برداشت کیا کرتی تھیں۔ لیکن آج کل دینی مدارس کس پرسی کے عالم میں ہیں۔ خصوصاً ہمارے پاکستان کا حال ہے۔ کہ اس میں ان دینی مراکز کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی، حکومتِ پاکستان ہوٹلوں، کلبوں سینماؤں اور عیاشی کے اڈوں کی حوصلہ افزائی تو کرتی ہے۔ لیکن مدارسِ دینیہ کو گرانٹ دے کر ان کی ترقی کی خواہاں نہیں اور یہ شاید اس لیے کہ وہ ان مراکزِ دینیہ کو اپنے راستے کا کانٹا تصور کرتی ہے۔ اور یہ سمجھتی ہے۔ کہ یہ وہ مراکز ہیں جہاں سے علماء پیدا ہو کر ملک کے کونے کونے میں برائی کے خلاف جہاد کرتے ہیں اور حق کی آواز لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ جو حکومت کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ اس لیے ان حالات میں دینی مدارس کی امداد اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔

سوم

بعض لوگ مستور الحال ہوتے ہیں، وہ اپنی حاجت کو چھپاتے ہیں وہ لوگوں سے اپنی تنگ دستی اور غربت کا حال بیان نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا بہت بہتر ہے۔ کیوں کہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں۔

ہیں، جو امیرانہ زندگی بسر کر چکے ہوتے ہیں۔ اور اب گردشِ ایام نے ان کو مفلوک الحال بنا دیا ہوتا ہے۔ وہ اپنی سابقہ وضع کو قائم رکھنے کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُہُمْ بِسِیْمَاہُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے جاہل لوگ ان کو مالدار تصور کرتے ہیں۔ تو ان کو ان کے چہرے سے پہچانتا ہے کہ وہ لوگوں سے اصرار کر کے نہیں مانگتے۔

ایسے لوگوں کی تلاش دینداروں کے ذریعے ہر محلے میں کرنی چاہیئے کیوں کہ ایسے لوگوں کو اپنے صدقات دینا اعلانیہ سوال کرنے والوں کی نسبت زیادہ ثواب ہے۔

چہارم

جو شخص صاحب عیال کثیرہ ہو یا کسی مرض میں گرفتار ہو، اپنے صدقات و خیرات سے اس کی طرف بھی پوری توجہ دینی چاہیئے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آدمی کو اس کے کثیر العیال ہونے کی بنا پر دس دس بکریاں دیا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام بھی گھر کے افراد کی تعداد کو مدِ نظر رکھ کر امداد فرمایا کرتے تھے۔

پنجم

زکوٰۃ دینے میں رشتہ داروں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ کیوں کہ قریبی رشتہ داروں کو صدقہ دینے سے دُگنا ثواب ہوتا ہے۔ ایک صدقہ دینے کا دوسرا صلہ رحمی کا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں ایک درہم سے اپنے بھائی کی صلہ رحمی کروں۔ تو یہ میرے نزدیک بیس درہم خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ اور اگر بیس درہم سے صلہ رحمی کروں تو یہ سو درہم خیرات کرنے سے بہتر ہے اور اگر سَو درہم سے صلہ رحمی کروں تو یہ ایک غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

فلسفہ روزہ

روزہ نبوت کے پندرھویں سال یعنی دس شوال ۲ھ میں فرض ہوا۔ اوّلاً صرف ایک روزہ عاشورہ کا فرض ہوا۔ پھر یہ منسوخ ہو کر ہر چاند کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں کے روزے فرض کئے گئے۔ پھر یہ بھی منسوخ ہو کر ماہِ رمضان کے روزے فرض ہوئے، مگر لوگوں کو اختیار تھا چاہے روزے رکھیں چاہے فدیہ ادا کریں۔ پھر یہ منسوخ ہو کر روزے لازم ہوئے مگر یہ پابندی رہی کہ رات کو سونے سے پیشتر جو چاہو کھالو، سونے کے بعد اُٹھ کر کچھ نہیں کھا سکتے، پھر صحابیِ رسول حضرت صرمہ بن قیس کا واقعہ پیش آیا کہ ایک دن روزہ کی حالت میں وہ دن بھر کام کرتے رہے شام کو گھر آئے بیوی سے کھانا مانگا، وہ پکانے میں مصروف ہوئیں، یہ لیٹ گئے دن بھر کے تھکے ہوئے تھے آنکھ لگ گئی۔ جب بیوی نے کھانا تیار کر کے انہیں بیدار کیا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا کیوں کہ اب کھانا حرام ہو چکا تھا۔ اور اسی حالت میں دوسرا روزہ رکھ لیا جس سے بہت کمزور ہو گئے اور دوپہر کو غشی آگئی۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔

اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پو پھٹ کر پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔

اس آیت کریمہ کے نزول پر روزہ رکھنے والے کو صبح تک کھانے کا اختیار دیا گیا۔ مگر جماع پھر بھی حرام رہا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ کرام کو یہ واقعہ پیش آیا، کہ

انہوں نے اپنی بیویوں سے جماع کر لیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے آپکو ملامت کرنے لگے۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میں اللہ کی اور آپ کی بارگاہ میں اپنے خطا کار نفس کی معذرت کرتا ہوں۔ میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا! اے عمر تمہارا یہ کام نہ تھا۔ اس پر دوسرے صحابہ کرام بھی کھڑے ہو کر معذرت کرنے لگے کہ ہم سے بھی خطا ہو گئی ہے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس، اللہ نے جان لیا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے اور اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں معاف فرما دیا۔ تو اب ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہے۔

ماہِ رمضان کے فضائل

ماہِ رمضان کے بے شمار فضائل ہیں۔ جن میں سے کچھ بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ کعبہ مسلمانوں کو بلا کر دیتا ہے اور ماہِ رمضان آکر رحمتیں بانٹتا ہے۔ گویا وہ کنواں اور یہ دریا یا وہ دریا ہے اور یہ بارش۔

۲۔ ہر مہینہ میں خاص تاریخوں کے خاص اوقات میں عبادت ہوتی ہے۔ مثلاً بقر عید کی چند تاریخوں میں حج یا محرم کے سارے مہینے میں دسویں تاریخ افضل ہے۔ مگر ماہِ رمضان میں ہر دن اور ہر وقت عبادت ہوتی ہے روزہ عبادت، انطار عبادت، انطار کے بعد تراویح کا انتظار عبادت، تراویح پڑھ کر سحری کے انتظار میں سونا عبادت، پھر سحری کھانا عبادت، غرضیکہ ہر آن میں خدا کی شان نظر آتی ہے۔

۳۔ رمضان ایک بھٹی ہے، جیسے کہ بھٹی گندے لوہے کو صاف اور صاف لوہے کو مشین کا پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے اور سونے کو زیور بنا کر محبوب کے استعمال کے لائق کر دیتی ہے ایسے رمضان گنہگاروں کو پاک کر دیتا ہے۔ اور نیک کاروں کے درجات بڑھا دیتا ہے۔

۴۔ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔

۵۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو رمضان میں مرجاتے اس سے سوالات قبر نہیں پوچھے جاتے۔

۶۔ اس مہینے میں شب قدر ہے جس کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں سے بھی زیادہ ہے۔

۷۔ رمضان میں ابلیس قید کر دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، جنت آراستہ کی جاتی ہے اس کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اسی لئے اس مہینے میں نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں کی کمی ہو جاتی ہے

۸۔ رمضانِ پاک میں کھانے پینے کا حساب نہیں۔

۹۔ رمضان میں افطار اور سحری کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے۔ اور یہ مرتبہ کسی اور مہینے کو حاصل نہیں۔

۱۰۔ قرآن حکیم میں صرف رمضان شریف کا ذِکر ہے اور اسی کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔

(تلک عشرۃ کاملۃ)

روزے کے فوائد

روزے کے بے شمار اخلاقی اور روحانی فائدے ہیں۔ ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں۔

ضبطِ نفس

ضبط نفس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کی خودی جسم اور اس کی طاقتوں پر قابو یافتہ ہو جائے اور نفس کی خواہشات اور جذبات پر اس کی گرفت اتنی مضبوط ہو کہ وہ اس کے فیصلوں کے تابع ہو کر رہیں۔ انسان کے وجود میں خودی کا مقام وہی ہے جو ایک سلطنت میں حکمران کا ہوا کرتا ہے۔ جسم اور اس کے اعضاء خودی کے آلہ کار ہیں۔ تمام جسمانی اور دماغی قوتیں خودی کی خدمات کیلئے ہیں نفس کی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ خودی کے حضور اپنی خواہشات کو درخواست کے طور پر پیش کرے، فیصلہ خودی کے اختیار میں ہے کہ وہ ان آلات اور طاقتوں کو کس مقصد کے لئے استعمال کرے اور نفس کی گزارشات میں سے کسے قبول کرے اور کسے رد کرے۔ اگر کوئی خودی اتنی کمزور ہو کہ جسم کی مملکت میں وہ اپنا حکم اپنے منشاء کے مطابق نہ چلا سکے اور اس کے لیے نفس کی خواہشیں، مطالبات احکام کا درجہ رکھتی ہوں تو وہ ایک مغلوب اور بے بس خودی ہے۔ اس

کی مثال اُس سوار کی سی ہے جو اپنے گھوڑے کے قابو میں آگیا ہو۔ ایسے کمزور انسان دنیا میں کسی قسم کی بھی کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ تاریخِ انسانی میں جن لوگوں نے اپنا نام پیدا کیا ہے، وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے وجود کی طاقتوں کو بزورِ اپنا محکوم بنا رکھا تھا۔ جو خواہشات نفس کے بندے اپنے جذبات کے غلام بن کر نہیں بلکہ اُن کے آقا بن کر رہے ہیں جنکے ارادے مضبوط اور عزم پختہ رہے ہیں۔ لیکن فرق اور بہت فرق ہے اس خودی میں جو خدا بن جائے اور اس خودی میں جو خدا کی تابع فرمان بن کر کام کرے۔ کامیاب زندگی کے لئے خودی کا قابو یافتہ ہونا تو بہر حال ضروری ہے۔ مگر خود اپنے خالق سے آزاد اور دُنیا کے مالک سے بے نیاز ہو۔ جو کسی بالاتر قانون کی پابند نہ ہو جس کو کسی حساب لینے والے باز پُرس کا اندیشہ نہ ہو، وہ اپنے اگر جسم و نفس کی طاقتوں پر قابو پا کر پُر زور خودی بن جائے تو وُہ دُنیا میں نمرود، فرعون، ہٹلر اور مسولینی جیسے بڑے بڑے مفسد ہی پیدا کر سکتی ہے۔ ایسا ضبطِ نفس نہ قابلِ تعریف ہے اور نہ وُہ اسلام کو مطلوب ہے۔ اسلام جس ضبطِ نفس کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ پہلے انسان کی خودی اپنے خدا کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے، اسکی رضا کی طلب اور اس کے قانون کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے اس کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ سمجھ لے۔ پھر اس مومن و مسلم خودی کو اپنے جسم اور اس کی طاقتوں پر حاکمانہ اقتدار اور اپنے نفس اور اس کی خواہشوں پر قاہرانہ تسلط حاصل ہو تاکہ وہ دنیا میں ایک مسلّح قوت بن سکے، یہ ہے اسلامی نقطہ نظر سے ضبطِ نفس کی اصل حقیقت۔ آیئے اَب ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح انسان میں یہ طاقت پیدا کرتا ہے اگر آپ نفس اور جسم کے مطالبات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ ان میں تین مطالبے اصل بنیاد کا حکم رکھتے ہیں اور وہی سب سے زیادہ طاقت ور مطالبے ہیں۔ ایک غذا کا مطالبہ جس پر بقائے حیات کا انحصار ہے، دوسرا صنفی مطالبہ جو بقائے نوع کا ذریعہ ہے۔ تیسرا آرام کا مطالبہ جو قوت کار کردگی کی بحالی کے لئے ضروری ہے۔ یہ تینوں مطالبے اگر اپنی حد کے اندر رہیں تو عین منشائے فطرت ہیں۔ لیکن نفس اور جسم کے پاس یہ تین پھندے ایسے ہیں کہ ذرا سی ڈھیل پاتے ہی وہ ان کے جال میں پھانس کر آدمی کی خودی کو اُلٹا اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا مطالبہ بڑھ کر مطالبات کی ایک فہرست بن جاتا ہے اور ہر ایک زور لگاتا ہے کہ انسان اپنا مقصدِ زندگی اپنے اصول بھول کر بس اسی کے تقاضے پورے کرنے میں لگ جائے۔ ایک کمزور خودی جب ان تقاضوں سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ تو غذا کا مطالبہ اسے بندۂ شکم بنا دیتا ہے۔ صنفی جذبہ اس کو حیوانیت کے سبب سے گھٹیا درجے پر پہنچا دیتا ہے اور جسم کی آرام طلبی اس کے اندر ارادے کی کوئی طاقت باقی نہیں رہنے دیتی۔ پھر وہ اپنے

جسم اور نفس کی حاکم نہیں بلکہ محکوم بن کر رہتی ہے اور اس کا کام بس یہ رہ جاتا ہے۔ کہ اس کے احکام کو جائز اور ناجائز طریقوں سے بجا لائے۔

روزہ نفس کی ان تینوں خواہشوں کو اپنے ضابطے کی گرفت میں لیتا ہے۔ اور خودی کو ان پر قابو پانے کی مشق کراتا ہے۔ وہ اس خودی کو جو خدا پر ایمان لا چکی ہے یہ خبر دیتا ہے کہ تیرے خدا نے نے دن بھر تیرے لیے دانہ پانی حرام کر دیا ہے۔ اس مدت کے اندر تیرے مالک نے آج تیری صنفی خواہشات پر بھی پابندی عائد کر دی ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک تیرے لئے حلال طریقے سے بھی ان خواہشات کو پورا کرنا حرام ہے، وہ اسے یہ اطلاع بھی دیتا ہے کہ تیرے رب کی خوشی اسی میں ہے۔ کہ دن بھر کی بھوک پیاس کے بعد جب تو افطار کرے تو نڈھال ہو کر لیٹ نہ جا، بلکہ اٹھ کر عام دنوں سے زیادہ اس کی عبادت کر وہ اس کو یہ حکم بھی پہنچاتا ہے کہ نماز کی لمبی لمبی رکعتوں سے فارغ ہو کر جب تو آرام لے تو صبح تک مدہوش ہو کر نہ پڑ جا، بلکہ معمول کے خلاف سحری کے لئے اٹھ اور صبح سے پہلے اپنے جسم کو غذا دے۔ یہ سارے احکام پہنچا دینے کے بعد وہ ان کی تکمیل کا معاملہ خود اسی پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی پولیس کوئی سی۔ آئی۔ ڈی۔ اور کوئی خارجی دباؤ ڈالنے والی طاقت نہیں لگائی جاتی وہ چھپ کر کھائے پیئے یا صنفی خواہشات پوری کرے تو خدا کے سوا کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے۔ تراویح سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ کر دے تو کوئی دنیاوی طاقت اس پر گرفت نہیں کر سکتی۔ سب کچھ اس کے اپنے اوپر منحصر ہے۔ اگر مومن کی خودی واقعی اس کے مطیع ہو چکی ہے اور اگر اس کے ارادے میں اتنا زور ہے کہ نفس پر قابو پا سکے، تو وہ خود ہی غذا کی مانگ کو صنفی خواہش کو اور آرام کی طلب کو اس ضابطے میں کس دے گا۔ جو آج خلاف معمول اس کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔

یہ صرف ایک دن کی مشق نہیں ہے ایسی مشق کے لئے ایک دن کافی بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلسل تیس دن خودی سے یہی مشق کرائی جاتی ہے سال بھر میں پورے ۷۲۰ گھنٹے کے لئے یہ پروگرام بنا دیا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر سحری کھاؤ، صبح پو پھٹتے ہی کھانا پینا بند کر دو، دن بھر ہر قسم کی غذا سے پرہیز کرو۔ غروب آفتاب کے بعد ٹھیک وقت پر افطار کرو۔ پھر رات کا ایک حصہ تراویح کی غیر معمولی نماز میں کھڑے رہ کر گزارو۔ اور چند گھنٹے آرام لینے کے بعد پھر دوسرے دن کے لئے یہی پروگرام شروع کر دو۔ اس طرح مہینہ بھر تک پے در پے نفس کے ان تین سب سے بڑے اور سب سے زیادہ طاقتور مطالبوں کو ضابطے میں کستے رہنے سے خودی کے اندر یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ خدا کی مرضی کے مطابق اپنے نفس اور جسم پر حکومت

کر سکے اور یہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پروگرام نہیں ہے بلکہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد سے مرتے دم تک ہر سال میں ایک مہینہ اسی مشق کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ تاکہ نفس پر خودی کی گرفت بار بار تازہ اور سخت ہوتی رہے اور اس میں اتنی طاقت پیدا ہو جائے کہ محض رمضان ہی نہیں بلکہ رمضان کے بعد بھی گیارہ مہینوں میں وہ ہر اس خدمت کے لئے اپنے جسم اور اس کی طاقتوں سے کام لے سکے جو خدا نے اس پر فرض کی ہو، ہر بھلائی کے لیے کوشش کر سکے، جس میں خدا کی رضا ہو، ہر اس برائی سے رُک سکے جو خدا کو ناپسند ہو اور اپنی خواہشات اور جذبات کو ان حدود کا پابند بنا کر رکھ سکے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ اس کی باگیں نفس کے قبضہ میں نہ ہوں۔ کہ جدھر وہ چاہے اُسے کھینچے پھرے۔ بلکہ عنانِ اقتدار اس کے اپنے ہاتھ میں رہے اور نفس کی جن خواہشوں کو جس وقت جس حد تک اور جس طرح پورا کرنے کی خدا نے اجازت دی ہے، انہیں اسی ضابطے کے تحت پورا کرے۔ وہ اس زبردست حاکم کی طرح رہے جو اپنے ماتحت عملے سے ہر وقت اپنے حسبِ منشاء کام لے سکتا ہو۔ یہی طاقت پیدا کرنا روزے کا اصل مقصد ہے۔

تعلیم مذہب کا یہ خاصہ ہے کہ انسان کے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا ہوں، صفاتِ حمیدہ پیدا ہوں۔ بداخلاقی سے اسے نفرت ہو۔ خواہشاتِ نفس پر قابو پائے، ضبطِ نفس اور تحمل کا خوگر ہو، فتنہ انگیزی سے باز آئے، شرارت نہ کرنے پائے۔ ان تمام خوبیوں کے پیدا کرنے کے لئے بہترین علاج یہی ہے کہ انسان کے حیوانی زہر کو نکال دیا جائے۔ اس زہر کے نکالنے کا بہترین تریاق روزہ ہے۔ قوتِ حیوانی کی شدت سے انسان کے اندر تمام خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر قوتِ حیوانی کو کمزور کر دیا جائے تو بہت سی برائیوں سے یقیناً انسان رُک جائیگا چنانچہ اسی قاعدے سے اسلامی شریعت میں قوانین روزہ کو برکھا جائے تو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے ذریعے سے اپنی امت کو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر پہنچانے کی سعی فرمائی ہے۔

نفس امارہ کے سات عیب ہیں۔ خود پسندی، غرور، ریاکاری، غصہ، حسد، مال کی محبت اور عزت کی چاہت اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں۔ جب روزہ انسان کے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ تو انسان مذکورہ بالا عیوب سے پاک وصاف ہو جاتا ہے اور دوزخ کے ساتوں دروازوں سے بچ جاتا ہے۔

تقویٰ : قرآن حکیم کا یہ دعوٰی ہے کہ روزہ انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے اور جب انسان

متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے تو اسے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ اصلاحِ اعمال اور بخشش

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔

۲۔ عزت

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

۳۔ قبولیتِ اعمال

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی

اِنْ اَوْلِیَآءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

۵۔ قربِ الٰہی

وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ

۶۔ محبت

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ

۷۔ نخوت سے نجات

فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی

۸۔ معیتِ خداوندی

وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ

۹۔ حصولِ آخرت

وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَ الْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

۱۰۔ اچھا ٹھکانہ

وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ

۱۱۔ حصولِ جنت

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔

۱۲ سلام

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا حَتّٰی اِذَا جَآءُوْهَا

وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ

فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۔

۱۳ نجاتِ نار

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

۱۴ بشارت بوقتِ موت

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا

وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۔

۱۵ حفاظت از دشمن

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا

۱۶ شدائد سے نجات اور حصولِ رزق

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ۔

نمبر ۱۷ اہل تقویٰ جنت کے وارث

تِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا

نمبر ۱۸ تقویٰ کفارہ گناہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ

وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

نمبر ۱۹ تقویٰ کامیابی کا سبب

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

تقوٰے ہو تو اس سے نیر و حسنہ، عدل و انصاف، الفت و محبت اور احسان کے جذبات اُبھرتے ہیں۔ جو مزرعِ زندگی کو سرسبز و شاداب کرتے ہیں، یہ حقیقت خود روزے کی غیر معمولی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے اِس ملّت بیضا سے پہلے کی اقوام و ملل پر بھی روزہ فرض کیا۔ جیسا کہ خود ارشادِ ربانی سے ثابت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم میں تقوٰے پیدا ہو۔

اس نص قرآنی میں روزے کی غایت بتائی گئی ہے کہ اس سے انسان میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث کی رو سے تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل میں نیکی، خیر، حسنہ اور عدل و احسان کا جذبہ پیدا ہو اور منکرات سے نفرت یعنی جرم و گناہ وغیرہ کی طرف مائل نہ ہو۔ تقوٰے کے اصل معنی خوف کے ہیں، اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد خدا سے ڈرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ اس لفظ کی بہترین تفسیر وہ ہے جو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیان فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا، کہ تقوٰے کیا ہے؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! آپ کو کبھی ایسے راستہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں اور راستہ تنگ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا! بارہا ایسا ہوا ہے۔ انہوں نے پوچھا! کہ ایسے موقعہ پر آپ کیا کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں دامن کو سمیٹ لیتا ہوں اور بچتا ہوا چلتا ہوں کہ دامن کانٹوں سے نہ الجھ جائے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ بس یہی تقوٰے ہے۔ زندگی کا یہ راستہ جس پر انسان سفر کر رہا ہے۔ دونوں طرف سے افراط و تفریط خواہشات اور میلان نفس وساوس اور ترغیبات گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اس راستے میں کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے چلنا اور اطاعت حق کی راہ سے ہٹ کر بداندیشی اور بدکرداری کی جھاڑیوں میں نہ الجھنا تقوٰے ہے۔ اور یہی تقوٰے پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے روزے فرض کیے ہیں۔ یہ ایک مقوی دوا ہے جس کے اندر خدا ترسی اور راست روی کو قوت بخشنے کی خاصیت ہے مگر فی الواقع اس سے قوت حاصل کرنا انسان کی اپنی قابلیت و استعداد پر موقوف ہے۔ اور آدمی روزے کے مقصد کو سمجھے اور جو قوت روزہ دیتا ہے اس کو لینے کے لئے تیار ہو۔ اور روزہ کی حدود سے اپنے اندر خوفِ خدا اور

اطاعتِ امر کی صفت کو نشوونما دینے کی کوشش کرے تو یہ چیز اس میں اتنا تقویٰ پیدا کر سکتی ہے کہ صرف رمضان ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی سال کے باقی گیارہ مہینوں میں وہ زندگی کی سیدھی شاہراہ پہ دونوں طرف کی خاردار جھاڑیوں سے دامن بچائے ہوئے چل سکتا ہے اس صورت میں اس کے لیے روزے کا اجر بے حد حساب ہوگا۔ لیکن اگر وہ اصل مقصد سے غافل ہو کر محض روزہ نہ توڑنے ہی کو روزہ سمجھے اور تقوے کی صفت حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال میں بھوک اور پیاس کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کر سکتا آدمی روزہ سے تقوائے حاصل کرنے کی جتنی کوشش کرے گا۔ اتنا ہی اس کا ثواب بڑھتا چلا جائے گا۔

روزہ سے خوفِ خدا زیادہ ہوتا ہے۔ آدمی جب بھوک اور پیاس کی شدت پاتا ہے تو یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سایہ دار مکان، سرد ہوا اور دیگر اسبابِ آرام مہیا ہونے کے باوجود جب یہ حال ہوگیا ہے تو میدانِ حشر میں قیامت کی بھوک اور پیاس اور دوزخ کی بھوک اور پیاس کس طرح برداشت ہوگی۔ یہی خوفِ خدا انسان کے اندر یہ طاقت پیدا کرتا ہے کہ جس چیز میں دُنیا بھر کے فائدے موجود ہوں مگر خدا ناراض ہوتا ہے۔ اس سے اپنے نفس پر جبر کر کے، بچے اور جس چیز میں ہر طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں، مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہے۔ اس پر اپنے نفس کو مجبور کر کے آمادہ کرے اور یہ طاقت اسی طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ انسان روزے کے مقصد کو سمجھے اور اس مقصد کے حصول میں سعیٔ بلیغ کرے۔

اخلاقی اور معاشرتی اصلاح

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے روزہ دار کو چاہیئے کہ:۔

فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ۔

روزہ دار نہ عورتوں سے میل جول کی باتیں کرے اور نہ شور و غل مچائے اگر اسے کوئی گالی بھی دے یا لڑائی کرے تو صرف اتنا کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ دار شہوانی اقوال اور افعال سے باز رہے۔ کوئی ایسا کام اور ایسی بات نہ کرے جس سے عورتوں کی طرف میلان پیدا ہو۔ رندوں کی طرح شور و غل نہ مچائے اور زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ نکالے جس سے کسی کی دِلآزاری ہو۔ روزہ دار پر جب کسی بیہودہ گو ظالم اور جاہل کی طرف سے

حملہ یا زیادتی ہو تو اتنا کہہ دے کہ مجھے روزہ ہے۔ اس لئے میں تمہارا مقابلہ کرنے سے معذور ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ زبان سے کہنا بھی ضروری نہیں بلکہ دل میں روزے کا خیال کر کے مقابلہ سے باز رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فتنہ و فساد نہ ہو گا۔ کیوں کہ اگر گالی اور لڑائی کا جواب اسی طرح دیتا تو فتنہ و فساد پیدا ہوتا جو کئی انسانوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا اور کئی گھروں کا سکون تباہ ہو جاتا۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا۔ خون کی ندیاں بہتی گرفتاریاں عمل میں آتیں، بعض کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ اب روزے کے سبب سے ان متذکرہ برائیوں سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو گئی۔ گویا روزہ دار نے روزے کی ڈھال سے شیطان اور نفس کے وار کو روکا اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے:۔

اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ (الحدیث) روزے ڈھال ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ روزے سے روزہ دار کے اخلاق کا معیار بلند ہو جائے گا۔ اس میں بُردباری اور تحمل آئے گا۔ شرارت اور فتنے سے اپنے آپ کو بچائے گا۔ امن پسندی اس کا شیوہ ہو گا۔ ساتھ ہی انسان کی معاشرتی اصلاح بھی ہو جائے گی۔ جب ہر ایک مسلمان ان اوصافِ حمیدہ سے مزین ہو گا۔ تو معاشرتی تعلقات میں کبھی بگاڑ پیدا ہی نہ ہو گا۔ ہر سال ماہِ رمضان میں روزہ رکھانے کی غرض یہی ہے۔ کہ سال بھر کے بعد اس نصاب کی یاد تازہ ہو جائے۔

احساسِ بندگی

روزہ کا قانون یہ ہے۔ کہ آخر شب طلوعِ سحر کی پہلی علامات ظاہر ہوتے ہی آدمی پر یکایک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ اور غروبِ آفتاب تک پورے دن حرام رہتا ہے۔ اس دوران میں پانی کا ایک قطرہ اور خوراک کا ایک ریزہ تک قصداً حلق سے اتارنے کی اجازت نہیں ہوتی اور زوجین کے لئے ایک دوسرے سے قضائے شہوت کرنا بھی حرام ہوتا ہے۔ پھر شام کو ایک خاص وقت آتے ہی اچانک حرمت کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ سب چیزیں جو ایک لمحہ پہلے تک حرام تھیں، یکایک حلال ہو جاتی ہیں اور رات بھر حلال رہتی ہیں یہاں تک کہ دوسرے روز کی مقررہ ساعت آتے ہی پھر حرمت کا قفل لگ جاتا ہے اسی طرح پورے تیس دن تک آدمی کو ایک شدید نظام کے ماتحت رکھا جاتا ہے۔

اس نظامِ تربیت پر غور کرنے سے جو پہلی بات نظر آتی ہے وہ یہ بات ہے کہ اسلام اس

طریقے سے انسان کے شعور میں اللہ کی حاکمیت کے اقرار و اعتراف کو مستحکم کرنا چاہتا ہے اور اس شعور کو اتنا طاقت ور بنا دینا چاہتا ہے کہ انسان اپنی آزادی اور خود مختاری کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ اسلام انسان سے صرف یہی مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ خدا کے وجود کو مان لے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اس امر واقعی کو ماننے کے ساتھ ہی اس کے فطری نتیجہ کو قبول کرے، یعنی جب وہ یہ مانتا ہے کہ تمام دنیا کا خالق و مالک پروردگار اللہ تعالیٰ ہے تو اس تسلیم و اعتراف کے ساتھ ہی اُسے اللہ کی حاکمیت اور فرمانروائی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے اپنی آزادی اور خود مختاری دونوں سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جو ایک بندے کا اپنے مالک کے مقابلہ میں ہونا لازم ہے۔

انسان کے اندر "اسلام" کی اسی حالت کو پے درپے تازہ کرنا روزے کا مقصد ہے رمضان کے روزے سال بھر میں ایک مرتبہ پورے ۲۰۷ گھنٹے تک لگاتار اسی حالت کو آدمی پر طاری رکھتے ہیں تاکہ وہ پوری قوت کے ساتھ دل و دماغ میں بیٹھ جائے اور سال کے باقی گیارہ مہینوں تک اس کے اثرات قائم رہیں اول تو روزے کے سخت ضابطے کو اپنے اوپر نافذ کرنے کے لیے کوئی شخص اس وقت آمادہ ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ کو اپنا حاکم اعلیٰ نہ سمجھتا ہو اور اس کے مقابلے میں اپنی آزادی اور خود مختاری سے دست بردار نہ ہو چکا ہو۔ پھر جب وہ دن کے وقت مسلسل بارہ بارہ تیرہ تیرہ گھنٹے کھانے پینے اور مباشرت کرنے سے رکا رہتا ہے اور جب سحری کا وقت ختم ہوتے ہی نفس کے مطالبات سے یکایک ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ اور جب افطار کا وقت آتے ہی نفس کے مطلوبات کی طرف اس طرح لپکتا ہے کہ گویا فی الواقع اس کے اور اس کے منہ اور اس کے حلق پر کسی اور کی حکومت ہے۔ جس کے بند کرنے سے وہ بند ہوتے ہیں اور جس کے کھولنے سے وہ کھلتے ہیں۔ غرضیکہ روزہ انسان کے اندر احساس بندگی کا شعور پیدا کرتا ہے

اطاعتِ شریعت

احساسِ بندگی کے ساتھ ساتھ خود بخود جو چیز لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو جس کا بندہ سمجھ رہا ہے اس کے حکم کی اطاعت کرے۔ ان دونوں چیزوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس لیے کہ اطاعت دراصل نتیجہ ہی اعتراف خداوندی کا ہے۔ کوئی کسی کی اطاعت نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی خداوندی نہ مان لے۔

روزے کا مقصد آدمی کو اطاعت کی تربیت دینا ہے۔ وُہ مہینہ بھر تک روزانہ کئی کئی گھنٹے آدمی کو اس حالت میں رکھتا ہے۔ کہ اپنی بالکل ابتدائی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اس کو خداوند عالم کے اذن و اجازت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ غذا کا ایک لقمہ اور پانی کا ایک قطرہ تک وہ حلق سے گزار نہیں سکتا جب تک وہاں سے اجازت نہ ملے ایک ایک چیز کے استعمال کے لیے وُہ شریعت خداوندی کی طرف دیکھتا ہے۔ جو کچھ وہاں حلال ہے۔ وہ اس کے لیے حلال ہے خواہ تمام دنیا اس کے حرام کرنے پر متفق ہو جائے۔ اور جو کچھ وہاں حرام ہے۔ وُہ اس کے لیے حرام ہے۔ خواہ ساری دُنیا مل کر اسے حلال کر دے۔ اس حالت میں خدا تعالٰے کے سوا کسی کا اذن اس کے لیے اذن نہیں کسی کا حکم اس کے لیے حکم نہیں اور کسی کی نہی اس کے لیے نہی نہیں خود اپنے نفس کی خواہش سے لے کر دُنیا کے ہر انسان اور ہر ادارے تک کوئی طاقت ایسی نہیں جس کے حکم سے مسلمان رمضان کا روزہ چھوڑ سکتا ہو اور توڑ سکتا ہو۔ اس معاملہ میں نہ بیٹے پر باپ کی اطاعت ہے۔ نہ بیوی پر شوہر کی نہ ملازم پر آقا کی نہ رعیت پر حکومت کی نہ مرید پر پیر کی نہ ماموم پر امام کی بالفاظ دیگر اللہ کی بڑی اور اصل اطاعت تمام اطاعتوں کو کھا جاتی ہے۔ اور ۲۰،۷ گھنٹے کی طویل مشق روزہ دار کے دِل پر یہ بات نقش کر دیتی ہے کہ ایک ہی مالک کا وہ بندہ ہے۔ ایک ہی کے قانون کا وُہ پیرو ہے۔ اور ایک ہی اطاعت کا حلقہ اس کی گردن میں پڑا ہے۔

اسی طرح یہ روزہ انسان کی فرمانبرداریوں اور اطاعتوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر ایک مرکزی اقتدار کی جانب پھیر دیتا ہے۔ اور تیس دن تک لگا تار تربیت کرتا ہے۔ تاکہ آدمی اپنی اطاعت کے مرکز کو اچھی طرح سمجھ لے تاکہ رمضان کے اختتام پر اس کی اطاعتیں اور فرمانبرداریاں بکھر کر مختلف مرجعوں کی طرف بھٹک نہ جائیں روزے کی اصل روح یہ ہے کہ آدمی پر خُدا کی خداوندی اور بندگی و غلامی کا احساس پوری طرح طاری ہو جائے اور وہ ایسا مطیع ہو کر اپنی زندگی کے لمحات گزارے کہ ہر اس چیز سے رُکے جس سے خدا نے روکا ہے اور ہر اس کام کی طرف دوڑے جس کا حکم خدا نے دیا ہے۔ روزے کی فرضیت کا اصل مقصد اس کیفیت کو پیدا کرنا اور نشوونما دینا ہے نہ کہ محض کھانے پینے اور مباشرت سے روکنا۔ یہ کیفیت جتنی زیادہ ہو روزہ اتنا ہی مکمل ہے۔ اور جتنی اس میں کمی ہو اتنا ہی وُہ ناقص ہے۔ غرضیکہ جس طرح بغیر روح کے جسم بیکار ہوتا ہے اسی طرح بغیر روح کے روزے کا حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو

لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ ۔ خدا کو اس کی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے

دوسری جگہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھَرُ

کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا اور کتنے ہی راتوں میں کھڑے رہنے والے ایسے ہیں جنہیں اس قیام سے رت جگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔

تعمیر سیرت

روزہ تعمیر سیرت میں نہایت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے ۔ روزہ آدمی میں یہ کیفیات پیدا کرتا ہے کہ اس کو خداوند عالم کی ہستی کا اس کے عالم الغیب ہونے کا اس کے قادر مطلق ہونے کا اور اس کے سامنے اپنے محکوم اور جواب دہ ہونے کا کامل یقین ہے اور اس پوری مدت میں جب کہ وہ روزے سے رہا اس کے یقین میں ذرا تزلزل نہیں آیا ۔ اس کو آخرت پر اس کے حساب و کتاب پر اور اس کی جزا و سزا پر پورا یقین ہے اور یہ یقین بھی کم از کم ان بارہ چودہ گھنٹوں میں غیر متزلزل رہا جب کہ وہ اپنے روزے کی شرائط پر قائم رہا ۔ اس کے اندر خود اپنے فرض کا احساس ہے ۔ وہ خود اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہے ۔ وہ اپنی نیت کا خود محتسب ہے ۔ اپنے دل کے حال پر خود نگرانی کرتا ہے ۔ جب اس کے نفس میں کسی قسم کی قانون شکنی یا گناہ کا خیال پیدا ہوتا ہے ۔ تو وہ اپنی قوت ارادی سے اس پر غلبہ حاصل کر کے یہ ثابت کر دیتا ہے ۔ کہ پابندی قانون کے لیے وہ ہر خواہش کو قربان کر سکتا ہے ۔

مادیت اور اخلاق و روحانیت کے درمیان انتخاب کا جب اسے موقع دیا گیا تو اس نے اخلاق و روحانیت کو انتخاب کیا ۔ دنیا اور آخرت کے درمیان ترجیح کا سوال جب اس کے سامنے آیا ، تو اس نے آخرت کو ترجیح دی ۔ اس کے اندر اتنی طاقت تھی کہ اخلاقی فائدے کی خاطر مادی نقصان اور تکلیف کو اس نے گوارا کیا ۔ اور آخرت کے نفع کی خاطر دنیاوی نقصان کو قبول کیا ۔

اس میں صبر و استقامت ، تحمل ، یکسوئی ، توکل اور دینی ترغیبات و تحریصات کے مقابلے کی طاقت کم از کم اس حد تک موجود ہے ۔ کہ رضائے الٰہی کے بلند نصب العین کی خاطر وہ ایک ایسا کام کرتا

ہے جس کا نتیجہ مرنے کے بعد دوسری زندگی پر ملتوی کیا گیا ہے۔ اس کام کے دوران وہ رضاکارانہ طور پر اپنی خواہشات نفس کو روکتا ہے سخت گرمی کی حالت میں پیاس سے نڈھال ہو رہا ہے۔ اور سرد میٹھا شربت سامنے موجود ہے۔ آسانی سے پی سکتا ہے۔ مگر نہیں پیتا، بھوک کے مارے جان پر بن رہی ہے کھانا حاضر ہے، چاہے تو کھانا کھا سکتا ہے۔ مگر نہیں کھاتا، جوان میاں بیوی میں خواہش نفس زور کرتی ہے۔ چاہیں تو عمل زوجیت کر سکتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہ چلے، مگر نہیں کرتے۔

یہ کیفیات ہیں جو پہلے روزے کا ارادہ کرتے ہی انسان کے نفس میں ابھرنی شروع ہوتی ہیں۔ جب وہ عملاً روزہ رکھتا ہے۔ تو یہ بالفعل ایک طاقت بن جاتی ہے۔ اور تیس دن تک مسلسل اس تکرار سے یہ طاقت راسخ ہو جاتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ آدمی کی فطرت میں پیوست ہو جاتی ہے۔

یہی وہ کیفیات ہیں جن سے انسانی سیرت کا خمیر تیار ہوتا ہے۔ عمدہ سیرت کی تعمیر کے لیے روزے سے بہتر کوئی طریق تربیت نہیں ہے۔ یہی وہ مکمل کورس ہے جو اسلامی طرز کی سیرت بنانے کے لیے ممد معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ جب ہم مشاہیر اسلام کی سیرتوں پر نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بات صاف نظر آتی ہے۔ کہ ان کی سیرتوں کے نکھار اور ان کے خصائل و عادات کے ابھار میں روزہ نے اہم کردار ادا کیا۔ آج ہم ان کی سیرتوں کا مطالعہ کر کے اپنے لیے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

کاش آج کا مسلمان روزے کی حقیقت کو مدِ نظر رکھ کر اس پر عمل کرے۔ تاکہ اس کی سیرت دوسروں کے لیے مشعل راہ ہو، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ آج کل تنومند اور طاقتور نوجوان بھی روزے سے جی چراتے ہیں اور اسے صحت کے لیے نقصان وہ تصور کرتے ہیں اور کھلے بندوں کھاتے پیتے ہیں۔ ایسے نالائق لوگوں کی سیرت کیوں کر اسلامی سیرت کہلا سکتی ہے۔

قوتِ صبر

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ (الحدیث) رمضان المبارک صبر کا مہینہ ہے۔

یعنی اس مہینہ میں روزہ دار بھوک اور پیاس کی شدت پر عظیم صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ شدت

کی گرمی میں اگر روزہ تکلیف دے تو روزہ دار اسے ذوق وشوق سے برداشت کرتا ہے۔ اگر اتفاقاً سحری نہ کھائی جائے تو بھی سارا دن بھوک اور پیاس کو برداشت کر کے روزے کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر رات کی تراویح میں کچھ دقت اور تکلیف کو محسوس کرے تو بڑی بشاشت کے ساتھ برداشت کرتا ہے اس کو مصیبت اور آفت نہیں سمجھتا کیوں کہ روزہ دار یہ سمجھتا ہے کہ جب دنیوی اغراض کی بدولت کھانا پینا اور راحت و آرام سب کچھ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ان چیزوں کو کیوں نہیں چھوڑا جا سکتا۔

خدا تعالےٰ نے روزے داروں کو صابرین میں شمار کیا ہے۔ اور جو فائدے صبر کے ہیں، سب ان کو عنایت فرمائے گا۔ صبر کا ثواب بے انتہا ہے۔ خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ — صابروں کو ان کا ثواب بے حساب دیا جائے گا۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ — بے شک اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

حضور پُرنور باعثِ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الصوم نصف الصبر — روزہ آدھا صبر ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:۔

الصبر نصف الایمان — صبر آدھا ایمان ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ روزہ ایمان کا چوتھائی حصہ ہے۔

الغرض روزہ آدمی میں قوتِ صبر پیدا کر کے اُس کو اس قابل بنا دیتا ہے۔ کہ وہ مصیبتوں اور مشقتوں میں اضطراب اور بیقراری کو اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیتا بلکہ ان کو خدا کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خوشی خوشی جھیلتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ جب وقت آئے گا۔ تو اللہ تعالےٰ خود اپنی رحمت سے ان کو دور فرما دیگا۔

ہمدردی

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے متعلق فرمایا کہ یہ شہر المواسات یعنی غم خواری اور ہمدردی کا مہینہ ہے۔ اس میں غرباء اور مساکین کے ساتھ مدارات کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ امراء مساجد میں قسم قسم کی عمدہ چیزیں غرباء کی افطاری کے لیے بھیجتے ہیں۔ اپنی ہمت

کے مطابق غربار کی سحری اور افطاری کا انتظام کیا جاتا ہے۔ عام لوگ اس مبارک مہینے میں صدقات و خیرات کرتے ہیں اکثر لوگ اپنی زکوٰۃ اسی مہینے میں نکالتے ہیں تاکہ نادار لوگ اچھی طرح روزے رکھ سکیں۔ اس مہینے میں رحم و رقت اور سخاوت زیادہ ہوتی ہے۔ انسان جب روزے میں خود بھوک اور پیاس محسوس کرتا ہے۔ تو اُسے دوسروں کی فاقہ کشی کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس میں ایسے غریبوں کے بارے میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اعلیحضرت مولانا الشاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے والدماجد مولانا مولوی حاجی محمد نقی علی خان صاحب نے جواہرالبیان میں لکھا ہے۔ کہ ایک شخص تھا کہ جو اس کے ہاتھ آتا تھا۔ خرچ کر ڈالتا تھا۔ اس کے متعلقین نے اُسے قید کر دیا اور اس کو خوراک دینا بھی بند کر دی۔ تاکہ مال کی قدر جانے۔ اور زیادہ خرچ سے باز آئے، جب اُسے قید سے رہا کیا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خرچ کرنے لگا۔ اور فقرار سے ہمدردی اور غمخواری پہلے کی نسبت زیادہ کرنے لگا۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا۔ کہ جب بھوک اور پیاس کی کیفیت سے واقف نہ تھا تو اس وقت کسی کا فاقہ مجھ سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ اب تو میں اس کی شدت سے آگاہ ہو گیا ہوں۔ اوروں کی تکلیف کیوں کر گوارا کروں۔

ثابت ہوا کہ جو آدمی خود بھوکا اور پیاسا رہ چکا ہو اُسے دوسروں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوتا ہے۔ اور ان کے متعلق مہربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ ہمدردی غمخواری اور دردِ دلی کا درس دیتا ہے۔ اور ے

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

تندرستی

روزہ موجب تندرستی ہے۔ کیوں کہ روزہ میں بھوک برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور بھوک بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ اب بھی ڈاکٹر اور طبیب لوگ کہتے ہیں کہ فاقہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے کیوں کہ اس سے معدے کی اصلاح ہوتی ہے۔ بھوک نزلہ اور زکام کا بہترین علاج ہے۔ بھوک رکھ کر کھانے میں صحت اور تندرستی کا راز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکماء کہتے ہیں کہ کھانا کھاتے وقت پیٹ کے تین حصے کر دو۔ ایک میں کھانا، دوسرے میں پانی اور تیسرا سانس کے آنے جانے کے لیے۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کے مدینہ منورہ میں ایک ایرانی حکیم مدنی مسلمانوں کا علاج کرنے کے لیے آیا۔ کافی مدت قیام پذیر رہا لیکن اس کے پاس کوئی مریض نہ آیا۔ آخر کار وُہ نبی پاک علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا کہ میں اتنے دنوں سے یہاں مدینہ میں قیام پذیر ہوں۔ مسلمانوں کے علاج کے لیے آیا ہوں، لیکن میرے پاس کوئی مریض نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا مسلمانوں کا یہ طریقہ ہے کہ یہ کھانا اس وقت کھاتے ہیں جب بھوک اپنے پورے جوبن پر ہوتی ہے۔ اور اس وقت کھانے سے رُک جاتے ہیں جب ابھی بھوک باقی ہوتی ہے اس پر اس حکیم نے کہا تندرستی اور صحت کا یہی موجب ہے۔ بعدازیں اس نے حضور علیہ السلام کو سلام کیا۔ مدینہ طیبہ سے رخصت ہو گیا۔

علاوہ ازیں روزہ چونکہ بھوک کو برداشت کرنے کی عادت پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اگر کبھی کھانا میسر نہ ہو تو انسان گھبراتا نہیں اور اگر کبھی بھوک برداشت نہ کی ہو، تو جس دن کھانا میسر نہ آسکے تو آدمی کے لیے بڑی مصیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

تنور شکم دم بدم تافتن
مصیبت بود روز نا یافتن

یعنی اگر بار بار کھانے کی عادت ڈال لی جائے تو جس روز کھانا نہ ملے اس روز انسان مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

موافقت ملائکہ

روزہ میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں فرشتوں سے موافقت ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کے فرشتے کھانے پینے سے پاک ہیں اسی طرح روزہ دار بھی کھانا پینا ترک کر دیتا ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ بات اس سے زیادہ ہے کہ فرشتے اصل فطرت میں کھانے پینے سے مستغنی ہیں نہ ان کو بھوک لگے اور نہ پیاس ستائے۔ بخلاف انسان کے کہ اس کو کھانے پینے کی حاجت ہے۔ اس کی نشو ونما اور بالیدگی کا انحصار اس کی خوراک پر ہے۔ غذا کے بغیر انسان کا زندہ رہنا محال ہے۔ روزہ دار اپنے پروردگار کے ارشاد کی تعمیل میں کھانا پینا ترک کر دیتا ہے اور اس کی اس عبادت سے اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا مضمون آشکارا ہو جاتا ہے۔ کہ اے فرشتوں اگر تم اپنی تسبیح و تقدیس پر نظر رکھتے ہو تو یہ مشتِ خاک باوجود ہزاروں موانع اور مصروفیات کے ہمارے ذکر میں مشغول رہے گی، ہماری تسبیح تہلیل بجا لائیں گے۔ اگر تم اپنی عصمت اور پاکی کو بطور فضیلت پیش

کرتے ہو، تو ان کی طہارت پر نظر کرو۔ کہ باوجود اس کے کہ یہ کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ پھر بھی کھانا پینا ترک کرتے ہیں۔ اور ہماری راہ میں کیسی کیسی محنت و مشقت گوارا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان خدا کی کما حقہٗ فرمانبرداری کرے اور اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے اور شریعت مطہرہ کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارے تو یہ فرشتوں سے بھی بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بھی فرشتوں کی طرح قربِ الٰہی کی دولت سے مالامال ہو سکتا ہے۔

بہرحال روزہ آدمی میں ملکی صفات پیدا کرتا ہے۔ اس کی روح کو جلا بخشتا ہے۔ اس کو روحانی طور پر قوی بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام روحانی طور پر بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ وہ پے در پے روزے رکھ کر اپنے نفس کو کمزور اور روح کو قوی بنا لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ روحانی طور پر پرواز کر کے قربِ الٰہی کی منزل میں پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی ایسے ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو روحانی طور پر کئی مرتبہ معراج حاصل ہوا۔

شفاعت

حدیثِ پاک میں آتا ہے۔ کہ رمضان قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ چنانچہ علامہ عثمان بن حسن نے درۃ الناصحین میں اس حدیث کو نقل فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ قیامت کے دن رمضان ایک خوبصورت شکل میں آ کر بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کرے گا۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ اے رمضان مانگ کیا مانگنا چاہتا ہے۔ یہ عرض کرے گا، الٰہی جن لوگوں کے پاس تو نے مجھے مہمان بھیجا تھا، آج وہ لوگ میرے مہمان بن کر آئے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ عجیب قلق و بیقراری کے عالم میں ہیں۔ خدا فرمائے گا۔ اے رمضان جس کو تو پہچانتا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر میری بارگاہ میں لے آ۔ چنانچہ رمضان ہر روزہ دار کو خدا کی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ اب اللہ کے حکم سے روزہ دار کو جنتی لباس پہنایا جائے گا۔ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کو براق پر سوار کیا جائے گا۔ پھر ستر ہزار ایسے لوگوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ جو کبیرہ گناہوں میں مبتلا رہے ہوں گے۔ پھر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور ستر ہزار حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی۔ اس کے بعد خدا تعالےٰ پھر رمضان سے پوچھے گا؟ کیا تمہاری کوئی اور آرزو ہے۔ تو یہ کہے گا کہ یا اللہ ایک آرزو اور ہے اور وہ یہ کہ اب اس روزہ دار کو اپنے نبی کے قرب

میں جگہ دے، چنانچہ روزہ دار کو جنت الفردوس میں داخل کر دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے،

الصیام والقران یشفعان للعبد یقول الصیام اے رب انی منعتہ الطعام والشھوات بالنھار فشفعنی فیہ ویقول القران منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فشفعان۔ (الحدیث)

روزہ اور قرآن انسان کے لیے (قیامت کے دن) شفاعت کریں گے، روزہ کہے گا، اے میرے رب میں نے اُسے دن کو کھانے اور خواہشاتِ نفسانی سے روکا لہٰذا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور قرآن کہے گا۔ میں نے اُسے رات کو سونے سے روکا تھا لہٰذا میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرمایئے۔ پھر دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

جس جہان میں ہم بود و باش رکھتے ہیں اسے عالمِ ناسوت کہتے ہیں اس کے علاوہ تین جہان اور بھی ہیں۔ عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت اور عالمِ لاہوت۔ عالمِ ملکوت کو عالمِ مثال بھی کہتے ہیں۔ عالمِ مثال میں یہاں کی ہر چیز کا وجود ہے۔ بلکہ وہاں ان چیزوں کا وجود بھی ہے جن کا وجود اس جہان میں نہیں ہے۔ مثلاً انسان کے اعمال یا روزہ یا قرآن وغیرہ۔

لہٰذا قیامت کے دن روزہ اپنے اس مثالی وجود سے مجسم ہو کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گا اور روزہ دار کے حق میں شفاعت کرے گا۔ انسان نے اپنے وطن میں روزے کی حمایت اور ہمدردی کا حق ادا کیا تھا۔ اس کے بدلے میں روزہ اپنے وطن عالمِ مثال میں روزہ دار کی حمایت کرے گا۔

لقاءِ الٰہی

تمام عبادات میں اطاعت کا غلبہ ہے۔ اور روزہ میں عشق کا۔ کیوں کہ اس میں رب کے لیے دنیوی چیزوں کا چھوڑنا ہے۔ علامہ رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

عاشقاں را شش نشاں است اے پسر ۔ آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر

گر ترا پرسند سہ دیگر کدام ! ۔ کم خورد کم گفتن و خفتن حرام

یعنی عشاق کی چھ علامات ہیں۔ سرد آہ، رنگت میں زردی، آنکھوں میں آنسو، تھوڑا کھانا۔

کم بولنا اور تھوڑا سونا۔ یہ سب باتیں روزہ میں پائی جاتی ہیں۔ اور مطیع کا بدلہ تو انعام ہے۔ مگر عاشق کا بدلہ لقاءِ حبیب ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے ہاں سے انسان کے ہر نیک عمل کا کئی گنا زیادہ اجر ملتا ہے۔ ہر نیکی کم از کم دس درجہ پاتی ہے۔ اور سات سو درجہ تک بھی اللہ تعالےٰ عمل کا اجر بڑھا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا سوائے روزے کے کیوں کہ وہ میرا ہے اور اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ میں ہی اس کا بدلہ ہوں۔ روزہ دار اپنی خواہشاتِ نفسانی اور کھانے کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک روزہ افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے اور دوسری رب کی ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالےٰ کے نزدیک مشک سے بھی بہتر ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے۔ الحدیث

ہر عملِ صالح کی ایک جزائے خیر ہے اور روزے کی جزا خدا تعالےٰ خود دیتا ہے۔ یا وہ روزے کی جزا خود بنتا ہے۔ کیوں کہ جب روزہ دار نے ان چیزوں کو رضائے الٰہی کے لیے چھوڑ دیا جن پر اس کی زندگی کا دار و مدار تھا۔ گویا کہ اس نے زندگی کو خیر باد کہہ دیا اور خدائے قدوس کا وصال پسند کیا۔ بارگاہِ الٰہی میں ہر عمل کی جزا اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے۔ ایسے متوکل علی اللہ اور محبِ خدا کی جزا یہی ہو سکتی ہے۔ کہ خدائے قدوس اسے تشفی دیں کہ جب تو میرا ہے تو میں تیرا ہوں۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا، تو جن لوگوں کے حقوق آدمی نے مارے ہوں گے، وہ تمام اعمال نیک اپنے حقوق کے بدلے لے جائیں گے۔ جب روزہ کی باری آئے گی۔ تو حق تعالےٰ فرمائے گا۔ اسکو چھوڑ دو یہ خاص میرے لیے ہے۔ اور جو اس بندہ کے ذمہ مطالبہ ہوگا۔ اپنے رحم و کرم سے خود کفالت فرمائے گا۔ اور اہلِ حقوق کو راضی کر کے بندہ کو ان کے مطالبے سے پاک کر دے گا۔ اس وقت روزہ بندہ کے ساتھ ہوگا۔ اور اسے بہشت میں لے جائے گا۔ جہاں اسے خدا کا دیدار ہوگا۔

بعض روایات میں یہ حدیث یوں ہے:-

اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ۔ روزہ میرے لیے ہے ۔ اور میں خود اس کا بدلہ ہوں اور اس کا ثواب میرا دیدار ہے ۔

مقام غور ہے کہ روزہ دار کے لیے اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے ۔ کہ اس خدائے ذوالجلال خالقِ کائنات کا دیدار نصیب ہو جائے ۔ یہ وہ انعام ہے کہ اس کے سامنے تمام نعمتیں ہیچ ہیں ۔ یہ بات باعثِ صد افتخار ہے ۔ کہ خدا تعالیٰ اپنی اس کمزور مخلوق کو اپنے دیدار فیض آثار سے مشرف فرمائے ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے پیٹ بھوکے اور جگر پیاسے اور بدن ننگے رکھو تاکہ تم پروردگار کو ظاہر و عیاں دیکھو ، کیوں کہ پیٹ بھر کر کھانا رب سے محجوب کر دیتا ہے ۔ جیسے کہ وضو و غسل گندگی جسم کو دور کر کے انسان کو عبادت ، تلاوت اور مسجد میں آنے کے قابل بنا دیتا ہے ۔ ایسے ہی روزہ روح کو پاک کر کے دربار یار کے قابل بنا دیتا ہے ۔ اور مشاہدۂ جمال اور ہمکلامیٔ رب تعالیٰ کی قابلیت پیدا کرتا ہے ۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جاتے تو روزہ رکھ کر جاتے تھے اور تورات لینے کے لیے چالیس روزے رکھے ۔

قبولیت دعا

رسولِ پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا : کہ

اِنَّ لِکُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ دَعْوَۃً مُّسْتَجَابَۃً ہر مسلمان کے لیے ہر شب و روز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے ۔

بہت سی روایات میں روزہ دار کی دعا کا قبول ہونا وارد ہے ۔ بعض روایات میں آتا ہے ۔ کہ افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے ۔ یہ اجابت کا وقت ہوتا ہے ۔ اپنی اپنی ضروریات کے لیے دعا کی جائے ۔ اگر یاد آ جائے تو اس پُر تقصیر گنہگار کے لیے بھی دعا فرمائیں ۔

چشمۂ فیض سے گر اِک اشارہ ہو جائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی ۔ ان میں سے پہلا روزے دار ہے ۔ وہ افطار تک جو بھی دعا کرے خدا تعالیٰ قبول فرماتا ہے ۔

درمنثور میں ہے کہ جب رمضان مبارک آتا تھا ۔۔۔ تو حضور علیہ السلام کا رنگ بدل

جاتا تھا۔ نماز میں اضافہ ہو جاتا اور دعا میں بہت عاجزی کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ رمضان میں حق تعالےٰ عرش اٹھانے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اپنی عبادت چھوڑ دو اور روزہ دار کی دعا پر آمین کہا کرو۔

بہت سی روایات سے رمضان کی دعا کا خصوصیت سے قبول ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ خود اس کے اندر کوئی کمی ہے۔ اور قبولیتِ دعا کی شرائط پوری نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب مسلمان دعا کرتا ہے۔ بشرطیکہ قطع رحمی یا کسی گناہ کی دعا نہ کرے تو حق تعالےٰ کے یہاں سے تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ملتی ہے۔ وہ چیز ملتی ہے جس کی دعا کی یا اس کے بدلے کوئی آنے والی مصیبت ٹال دی جاتی ہے۔ یا آخرت میں اس دعا کے بدلے میں اس کو ثواب ملے گا۔

ایک حدیث میں ہے۔ کہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ اپنے بندوں کو بلا کر کہے گا کہ میں نے تجھے دعا کرنے کے لیے کہا تھا اور اس کے قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا تو نے مجھ سے دعا مانگی تھی؟ وہ عرض کرے گا۔ مانگی تھی اس پر ارشاد ہو گا تو نے کوئی دعا ایسی نہیں کی جس کو میں نے قبول نہ کیا ہو، تو نے فلاں دعا مانگی تو میں نے تجھ پر سے فلاں مصیبت ہٹا دی۔ تو نے فلاں دعا مانگی میں نے اس کو دنیا میں پورا کر دیا۔ تو نے فلاں دعا مانگی مگر اس کی قبولیت کا اثر تجھے معلوم نہ ہوا۔ میں نے اس کے بدلے میں فلاں اجر و ثواب تیرے لیے متعین کیا۔ جب وہ آخرت کے اجر و ثواب کو دیکھے گا۔ تو تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کوئی دعا پوری نہ ہوتی اور سب دعاؤں کا اجر و ثواب اسے یہاں ملتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ رمضان المبارک میں اللہ کو یاد کرنے والا شخص بخشا بخشایا ہے۔ اور اللہ سے مانگنے والا نامراد نہیں رہتا۔

ایک روایت میں ہے کہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی پکارتا ہے کہ اے خیر کے تلاش کرنے والے متوجہ ہو اور آگے بڑھ اور اے برائی کے طلبگار بس کر اور آنکھیں کھول اسکے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے۔ کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے۔ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا

کیا جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ روزہ دار کی دُعا افطار کے وقت رَد نہیں ہوتی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جب رمضان کے مہینے میں روزہ دار سحری کے وقت اٹھنا چاہتا ہے اور کروٹیں بدلتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، اللہ تجھے برکت دے کھڑا ہو جا، جب وُہ بستر سے نماز کی نیت سے اٹھتا ہے تو بستر اسکے لیے دُعا کرتا ہے۔ یا اللہ اسے بہترین بستر عطا کر جب وُہ کپڑے پہنتا ہے تو وُہ کپڑے دُعا کرتے ہیں۔ الہٰی اسے جنتی حلے عطا فرما، جب وُہ جوتا پہنتا ہے تو وُہ جوتا دُعا کرتا ہے کہ الہٰی اسے پلصراط پر ثابت قدم رکھنا، جب وہ وضو کے لیے پانی کے برتن کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو وہ برتن دُعا کرتا ہے۔ کہ الہٰی اسے جنتی کٹورے عطا کرنا اور جب پانی سے وضو کرتا تو وہ پانی دُعا کرتا ہے۔ الہٰی اسے گناہوں اور خطاؤں سے پاک فرما۔ اور جس مکان میں نماز پڑھتا ہے وہ مکان دُعا کرتا ہے، مولا اس کی قبر کو وسیع کرنا اور اس کو نور علیٰ نور بنا دینا۔ نماز کے اختتام پر خدا تعالےٰ اس نمازی اور روزہ دار سے ارشاد فرماتا ہے، دُعا کر ہم قبول فرمائیں گے، سوال کر ہم پورا کریں گے، ہم سے بخشش مانگ ہم تمہاری مغفرت کر دیں گے۔

جہنم سے آزادی

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ جب رمضان آتا ہے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جب ماہِ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے، شیاطین اور سرکش جن قید کر لیے جاتے ہیں۔ اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا اور کچھ لوگ جہنم سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالےٰ اس کو جہنم سے اتنا دُور کر دے گا۔ جیسے کوا کہ جب بچہ تھا اس وقت سے اڑتا رہا یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر مرا۔

ایک روایت میں ہے رمضان پاک کے ہر دن دس لاکھ دوزخی جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں۔

اور جمعہ کے دن ہر ساعت میں دس لاکھ جہنمی جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں اور جب آخری روزہ ہوتا ہے۔ تو پہلے روزے سے لے کر اب تک جتنے دوزخی آزاد کئے گئے ان سب کی تعداد کے برابر اس دن آزاد کئے جاتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَنْ فَرِحَ بِدُخُوْلِ رَمَضَانَ حَرَّمَ اللّٰہُ جَسَدَہٗ عَلَی النِّیْرَانِ۔ جس نے ماہِ رمضان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا، اللہ نے اس کے جسم کو نارِ جہنم پر حرام کر دیا۔

نسائی شریف میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھتے، اللہ تعالےٰ اس کے منہ کو دوزخ سے ستر برس کی راہ دور فرمائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ روزہ دار اور جہنم کے درمیان اللہ تعالےٰ اتنی بڑی خندق کر دیگا۔ جتنا آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ دوزخ روزہ دار سے سو برس کی راہ دور ہو جائے گی۔

معاذ بن انس رضی اللہ تعالےٰ سے روایت ہے کہ جس نے غیرِ رمضان میں اللہ کی راہ میں روزہ رکھا تو تیز گھوڑے کی رفتار سے سو برس کی راہ پر جہنم سے دُور ہوگا۔

جب غیرِ رمضان میں روزہ رکھنے والا جہنم سے اس قدر دور ہو جائیگا تو جو رمضان مبارک میں روزہ رکھتا ہے۔ وُہ دوزخ سے کتنا دُور ہو جائے گا۔

مغفرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا: رمضان کی آخری شب میں اس امت کی مغفرت ہوتی ہے۔ عرض کی گئی کیا وُہ شب قدر ہے فرمایا نہیں بلکہ کام کرنے والے کو اس وقت مزدوری دی جاتی ہے جب وہ کام پورا کرلے۔

ایک روایت میں جو ثواب کے لیے رمضان کا روزہ رکھے گا۔ اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے اور جو ایمان کی وجہ سے اور ثواب کی خاطر شب قدر کا قیام کرے اس کے اگلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب عید الفطر کی رات آتی ہے تو خدا تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے، اے گروہ ملائکہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے۔ جس نے کام پورا کر لیا فرشتے عرض کرتے ہیں اس کو پورا اجر دیا جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب رمضان کا چاند نظر آتا ہے۔ تو عرش، کرسی اور فرشتے پکار کر کہتے ہیں امت محمدیہ کے لیے خوشخبری ہو کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے بہت سے انعام و اکرام تیار کر رکھے ہیں شمس و قمر اور ستارے فضا میں اڑنے والے پرندے پانی میں رہنے والی مچھلیاں اور زمین پر چلنے والی ہر جاندار مخلوق سوائے شیطانوں کے روزہ دار کی مغفرت کی دعا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ہر روزہ دار کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

کتنا بڑا شرف ہے اس امت کے لیے کہ اس نے روزہ رکھا تو اپنے فائدے کے لیے، بھوک اور پیاس برداشت کی تو اپنے نفع کو، اور قرآن پڑھا تو اپنی نیکیوں میں اضافے کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری سے خوش ہو کر اپنی ساری مخلوق کو اس کی بخشش کی دعا کے لیے مقرر فرما دیتے ہیں۔ اور پھر بخشش کی دعا کرنے والی مخلوق معمولی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نوری فرشتے ہیں جو گناہ سے معصوم ہیں اور وہ جس کے حق میں دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو رد نہیں فرماتا۔

ایک روایت میں کہ رمضان پاک کی ہر رات خدا تعالیٰ تین مرتبہ ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی مجھ سے طلب مغفرت کرنے والا کہ اس کے گناہوں کو معاف کر دوں۔

ے
ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی چاہنے والا ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی راہرو منزل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئے دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ایک حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا — جس نے روزہ رکھا در آنحالیکہ اس کے دل میں ایمان

غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ — ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر پانے کے خیال سے رکھا
اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے۔

روزے کے باعث سابقہ سارے گناہ معاف ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ گویا روزہ دار زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ میں نے کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی کے پورے کرنے میں جو تیری مرضی کے خلاف قدم اٹھایا ہے اس سے باز آتا ہوں اور تیری رضا حاصل کرنے کے لیے سب کچھ چھوڑتا ہوں اور مسلسل روزہ رکھنے سے یہ ثبوت دیتا ہوں کہ تیری رضا کی پابندی مسلسل کروں گا، تیری مرضی کے خلاف خواہشاتِ نفسانی کو ہمیشہ چھوڑ دوں گا اور علاوہ ازیں شوال کے چھ روزے رکھ کر اس امر کا مزید ثبوت دیتا ہے کہ اے اللہ تو ایک نیکی کا اجر دس گناہ دیتا ہے۔ میں نے ۳۶ روزے رکھے تاکہ تو مجھے سال کے ۳۶۰ دن کے برابر ثواب دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تیری رضا حاصل کرنے کے لیے سارا سال روزہ دار رہا۔

سیاسی فوائد

دنیا میں ہمیشہ وہی قوم عزت سے زندہ رہ سکتی ہے۔ جس کے پاس حیاتِ قومی کے اعلیٰ اصول ہوں اور وہ ان کی پابندی کے لیے ہر مصیبت کو جھیلے اور ہر مشقت کے سامنے سینہ سپر ہو، روزے میں اس بات کی مشق کرائی جاتی ہے کہ بارہ یا چودہ بلکہ بعض اوقات چوبیس گھنٹے بے آب و دانہ رہے خواہ شدید گرمی کا موسم ہی کیوں نہ ہو۔ بعض اوقات سحری کے وقت آنکھ نہیں کھلتی لیکن روزہ نہیں چھوڑا جاتا ہے۔ دن کے کاروبار کا حرج بھی نہیں کر سکتے، کاشت کار ملازمت پیشہ اور مزدور غرضیکہ ہر ایک کام والا اپنے اپنے کام میں مصروف ہے اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ دن کو یہ مشقت اور رات کو بیدار رہتا ہے اور کافی وقت کھڑا ہو کر نمازِ تراویح ادا کرتا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ ہر مسلمان ایک فوجی سپاہی ہے، لبسکٹ، کیک اور سیون اپ تو بجائے خود رہے بلکہ پانی پیئے اور کھانا کھائے بغیر اگر ضرورت پیش آئے تو دن اور رات کے چوبیس گھنٹے مسلسل کام کر سکتا ہے۔ اور اس بات کا بھی عادی ہے کہ ان مصائب کی برداشت میں وہ کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا، بلکہ اسے محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے۔ چنانچہ فتوحاتِ اسلامی میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں کہ لگاتار چوبیس گھنٹے لڑائی جاری رہی، دشمنانِ اسلام کے لشکر یکے بعد دیگرے آتے رہے اور مسلمان اس وقت

تک پیچھے نہیں ہٹے جب تک میدان جیت نہیں لیا۔

بہر حال روزہ آدمی کو فوجی تربیت دیتا ہے۔ اسے آنے والے مصائب و آلام سے مقابلے کے لیے تیار کرتا ہے، اُسے انضباط اوقات کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے سے اعلیٰ ہستی کی فرمانبرداری کا درس دیتا ہے۔ اپنے فرائض منصبی کی احسن طریقے سے ادائیگی کا سبق دیتا ہے۔ اپنے اخلاق کی درستگی کی طرف راغب کرتا ہے۔ یہ سب باتیں ایک فوجی جوان کے لیے نہایت ضروری ہیں۔

لیکن وائے ناکامی کہ ہم نے اسلام کے ان زریں اصولوں کو یکسر بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج مسلمان دنیا کی نگاہوں میں ذلیل اور رسوا ہو چکے ہیں آج روس اور امریکہ اور اسرائیل جیسی کافر قومیں مسلمانوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہیں۔ حالاں کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ مسلمان پوری دُنیا میں اسی کروڑ ہیں اگر یہ متحد ہو کر ان اصولوں کی پابندی کریں۔ جو ارکانِ اسلام کے اندر انہیں سکھائے گئے ہیں۔ اور پھر فیصلہ کریں کہ یا تخت یا تختہ تو ان کے وقار کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ پوری مسلم قوم دُنیا کی دیگر قوموں میں سردار بن کر رہے۔ کیوں کہ اسلام کی پابندی کی صورت میں خُدا تعالیٰ اس کی پشت پناہی فرمائے گا۔ ظاہر و باطن اور زمین و آسمان کی تمام خدائی طاقتیں اس کی خدمت کے لیے وقف ہو جائیں گی۔ لیکن

ے وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

متفرق فوائد

صحاح میں ہے کہ قیامت کے دن روزہ داروں کو ایک خاص حوض عنایت ہوگا۔ جہاں ان کے سوا اور کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نقل کیا ہے، کہ میری امت کو رمضان شریف کے بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں

۱۔ ان کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

علماء نے اس کے تین مطلب لیے ہیں۔ اوّل یہ کہ حق تعالیٰ آخرت میں بدبو کا بدلہ خوشبو سے عطا

فرمائیں گے۔ جو مشک سے زیادہ عمدہ اور دماغ پرور ہوگی، دوسرا مطلب یہ کہ قیامت کے دن جب روزہ دار اپنی قبر سے اٹھیں گے تو ان کی امتیازی شان یہ ہوگی کہ ان کے منہ سے ایسی خوشبو آئے گی جو کستوری سے زیادہ بہتر ہوگی۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کے نزدیک اس بُو کی قدر مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے

۲۔ ان کے لیے دریا کی مچھلیاں دُعا کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔ اس سے مقصود کثرت سے دُعا کرنے والوں کا بیان ہے اور یہ خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے حق تعالیٰ ان کے لیے (دنیا میں) محبوبیت پیدا کر دیں گے۔

۳۔ جنت ان کے لیے ہر روز آراستہ کی جاتی ہے پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریب ہے کہ میرے بندے دُنیا کی مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آئیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ سال کے شروع سے رمضان کے لیے جنت کو آراستہ پیراستہ اور مزین کیا جاتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے آنے کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے۔ اتنا ہی پہلے سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان کا پہلا دن آتا ہے تو جنت کے پتوں سے عرش کے نیچے ایک ہوا حور عین پر چلتی ہے، وہ کہتی ہیں:۔ اے خدا تو ان بندوں میں سے ہمارے شوہر بنا جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور ان کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں۔

۴۔ اس میں سرکش شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں اُن برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رمضان مبارک میں گناہوں اور معاصی کا زور کم ہو جاتا ہے۔ کتنے ہی صغائر اور کبائر گناہ کی آلودگیوں میں ملوث ہونے والے ایسے ہیں کہ رمضان کی برکت سے نیکیوں کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ اور گناہوں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان گناہوں کی وجہ انسان کا اپنا نفس امّارہ ہے۔ جس کے اندر سال بھر تک شیطان کے ساتھ اختلاط کی بنا پر شیطانی اثر موجود ہے۔

۵۔ رمضان کی آخری رات میں روزہ دار کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ جیسے کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا رمضان کے مہینے میں جو کسی علمی محفل میں جائے تو اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کی عبادت کا ثواب اُسے ملتا ہے۔ اور قیامت کے دن وُہ میرے ساتھ عرش کے نیچے ہوگا۔ اور جو اس مہینے میں جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کرے اُسے ہر رکعت کے بدلے نعمتوں سے بھرا ہوا ایک شہر عطا کیا جائے گا اور جو رمضان میں اپنے والدین کے ساتھ احسن سلوک کرے خدا تعالےٰ اسکی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور میں اس کی جنت کا ضامن ہوں اور اس مہینے میں جو عورت اپنے خاوند کی رضا کی طالب ہوگی، اس کے نامۂ اعمال میں حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا سا ثواب لکھا جائے گا۔ اور جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی کوئی حاجت اس مُبارک مہینے میں پوری کرے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کی ہزار حاجتیں پوری کر دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا رمضان کے مہینے میں جو کسی مسجد میں رُوشنی کرے خدا تعالےٰ اس کی قبر کو منور فرمائے گا۔ اور اس روشنی میں جتنے لوگ نماز پڑھیں گے ان سب کی نیکیوں کے برابر اس کو نیکیاں ملیں گی۔ اور جب تک وہ مسجد قائم رہے گی اللہ تعالےٰ کے فرشتے اس کے لیے خدا تعالےٰ سے طلب رحمت کرتے رہیں گے اور وُہ فرشتے جنہوں نے عرش الٰہی کو اٹھا رکھا ہے اس مسلمان کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں۔

روزہ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کا پتہ چلتا ہے جس سے غذا اور پانی کی قدر ہوتی ہے۔ اور انسان میں خدا کا شکر ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

روح عالم اجسام میں آنے سے پہلے کھانے پینے وغیرہ سے پاک و صاف تھی۔ اسی لیے گناہوں سے بھی محفوظ رہی، اجزائے جسم کا بھی یہی حال تھا۔ مگر جب یہ دونوں ملے تو جسم روح کی وجہ سے اور روح جسم کی وجہ سے غذاؤں کے حاجتمند ہوئے اور گناہوں میں مبتلا ہوتے، ضرورت تھی کہ اب بھی کچھ روز ان کو مرغوب غذاؤں سے باز رکھا جائے تاکہ انھیں اپنی پہلی حالت یاد رہے اور پہلے کی طرح اب بھی گناہوں سے بچتے رہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازے کا نام ریّان ہے اس دروازے سے وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو روزے رکھتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ روزہ اللہ تعالےٰ کے لیے ہے اور اس کا ثواب اللہ عزوجل کے سوا

کوئی نہیں جانتا۔

طبرانی کی ایک حدیث ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے ایک دن نفل روزہ رکھا اگر اُسے زمین بھر سونا دیا جائے تب بھی اس کا ثواب پورا نہ ہوگا۔ اس کا ثواب تو قیامت کے دن ملے گا۔

علامہ عثمان بن حسن نے درۃ الناصحین میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دو نور عطا فرمائے تاکہ وہ دو اندھیروں سے نجات پا جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی! الہٰی وہ دو نور کون سے ہیں۔ ارشاد ہوا نورِ رمضان اور نورِ قرآن، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الہٰی دو اندھیرے کون سے ہیں۔ ارشاد فرمایا قبر کا اندھیرا اور حشر کا اندھیرا۔

یعنی ماہِ رمضان اس امت کو اس لیے دیا کہ ان کی قبروں سے تاریکیاں دور ہو جائیں ان کی قبریں بقعہ نور بن جائیں اور قرآن اس لیے دیا کہ قیامت کے دن کی تاریکیوں سے محفوظ رہیں قیامت کے دن قرآن ان کے لیے نورانیت کا گہوارہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ۔ قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

حضرت مکحول فرماتے ہیں قیامت کے دن جنتیوں پر ایک پاک اور معطر ہوا کے عطر آمیز جھونکے چلیں گے وہ خوش ہو کر عرض کریں گے۔ الہٰی یہ کیسی عمدہ اور خوشگوار ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ اے جنتیو! روزہ داروں کے منہ کی ہوا، اس ہوا سے زیادہ خوشگوار ہے۔

روزے کے آداب

روزے کے چھ آداب امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں ذکر کیے ہیں۔

اوّل: نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے، روزہ دار کو چاہئے کہ جو چیزیں مکروہ ہیں ان سے نگاہ کو بچائے، جو چیزیں خدا کی یاد سے غافل کر دیں ان کو نہ دیکھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔ جو خدا کے خوف سے اس کو ترک کر دے گا، خدا تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عنایت فرمائے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

دوم

زبان کی حفاظت ہے۔ یعنی روزہ دار جھوٹ چغلی غیبت لغو بکواس بدگوئی سب وشتم بد کلامی اور جھگڑے وغیرہ سے بچتا رہے بلکہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر وغیرہ بھی نہ کرے، اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی، تلاوت قرآن اور درودِ شریف پڑھنے میں مصروف رکھے۔ حضرت سفیانِ ثوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دو چیزیں روزے کی مفسد ہیں جھوٹ اور غیبت، اگر کوئی جھگڑا کرے تو یہ روزہ دار کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

سوم

کان کی حفاظت کرے اور بری باتوں کے سننے سے کانوں کو باز رکھے اس لیے کہ جن بری باتوں کا زبان سے ادا کرنا حرام ہے ان کا سننا بھی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے سننے والوں اور حرام خواروں کا ذکر ایک جگہ ملا کر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ یعنی جھوٹ کے سننے والے اور حرام کے کھانے والے

اور حدیث میں ہے۔

اَلْمُغْتَابُ وَ الْمُسْتَمِعُ شَرِيْكَانِ فِي الْاِثْمِ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر کے گناہ میں شریک ہیں۔

لہٰذا روزہ دار کو چاہیئے کہ وہ کسی کی چغلی اور برائی نہ کرے، فلمی گانوں اور غزلوں کے سننے سے پرہیز کرے۔ کیوں کہ یہ شیطانی آوازیں ہیں۔ ان آوازوں سے خداوند قدوس اور اُس کا رسول ناراض ہوتے ہیں۔ گانے کی حرمت پر مکمل بحث ہماری کتاب "بدرالکبراے" میں ملاحظہ کیجیے۔

چہارم

ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سے کوئی برا کام نہ کرے، ہاتھ سے کسی ناجائز چیز کو نہ پکڑے۔ کسی کو ایذا نہ دے۔ پاؤں سے چل کر بری جگہ نہ جائے۔ افطار کے وقت پیٹ میں کوئی ایسی چیز نہ ڈالے جس کا تعلق حرام کی کمائی یا مشتبہ چیز سے ہو کیوں کہ اگر حلال چیز سے روزہ رکھ کر حرام سے افطار کیا، تو روزہ ناقص ہو جائے گا۔ جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرے اِس کا حال اس شخص کا سا ہے۔ جو مرض کے لیے دوا کرتا ہے مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لیے دوا مفید ہو جائے

مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پنجم

یہ کہ افطار کے وقت حلال غذا بھی اتنی نہ کھائے کہ پیٹ تن جائے اس لیے کہ اس سے روزہ کی غرض وغایت فوت ہو جاتی ہے، روزہ سے مقصود قوتِ شہوانیہ اور بہیمیہ کا کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور ملکیہ بڑھانا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک کوئی ظرف اتنا بُرا نہیں ہے جتنا کہ حلال کے کھانے سے بھرا ہوا پیٹ ہے۔ روزہ کی غرض یعنی قہر ابلیس اور شہوتِ نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی کرے جو فوت ہوئی، آج لوگوں کی عادت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء رمضان کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے۔ تو خوب زیادہ سیر ہو کر کھاتا ہے تو بجائے قوتِ شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور روزے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ روزے کی روح اور اصل یہ ہے کہ جو قوتیں برائی کی طرف لے جا کر شیطان کی گودیں ڈالدیں۔ وہ ضعیف ہو جائیں اور یہ بات تھوڑا کھانا کھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی یعنی اتنی ہی غذا کھائے جتنی روزے بغیر عام راتوں میں استعمال کرتا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ دن کو بہت نہ سوئے تاکہ بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہو اور قوتوں کے ضعیف ہونے پر آگاہ ہو اور کچھ ضعف افطار کے بعد بھی قائم رہے تاکہ نماز تراویح اور تہجد آسانی سے ادا ہو سکیں اور وظائف میں کمی نہ ہونے پائے۔

ششم

روزہ دار کے دل پر خوف ورجا ہونا چاہیئے وہ خدا سے ڈرتا رہے کہ نہ جانے یہ روزہ قابلِ قبول ہے یا نہیں اور اسی طرح ہر عبادت کے اختتام پر دل میں خیال کرے نہ جانے کوئی ایسی لغزش نہ ہو گئی ہو جس کی بناء پر یہ عبادت منہ پر ماری جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ خدا سے خائف بھی رہنا چاہیئے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالے، اپنے روزے اور عمل پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے بلکہ افطار کے بعد خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اس کو روزہ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ورنہ وہ اگر چاہتا تو اس کو روزے کے قابل ہی نہ رہنے دیتا۔

فلسفہ حج

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ o فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ o وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا o وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا o

یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا، برکت والا گھر، اور سارے جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے۔ اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔ اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا واجب ہے۔ جو اس تک چلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

اِن آیات کی قدرے تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

اوّلیتِ کعبہ

زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے پانی تھا۔ قدرت نے اس پر جھاگ پیدا کر دی، وہ جھاگ چالیس سال تک ایک جگہ محفوظ رہی، پھر وہی جھاگ پھیلا دی گئی، اسی پھیلی ہوئی جھاگ کا نام زمین ہے۔ اس جھاگ کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے۔ اور اس کا پھیلاؤ اس کے بعد، خدا تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا. جس مقام پر جھاگ محفوظ رہی اسی مقام پر کعبۃ اللہ ہے۔ پھر آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل بیت المعمور کے بالکل مقابل فرشتوں نے کعبہ شریف کی عمارت بنائی۔ یہ عمارت

پیمائش میں بیت المعمور کے برابر تھی تاکہ آسمان کے فرشتے تو بیت المعمور کا طواف کریں اور زمینی فرشتے کعبہ کا۔ اس عرصہ میں کعبہ کا طواف تو صرف زمینی فرشتے کرتے رہے مگر اس کا حج زمین و آسمان کے سارے فرشتے کرتے رہے مگر اس عمارت کا سامان آسمانی سُرخ یاقوت تھے، زمین کے پتھر وغیرہ نہ تھے، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس تعمیر میں کچھ زیادتی کی اور آپ بھی اسی کا طواف کرتے اور اسی کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ اس کی مرمت حضرت شیث علیہ السلام نے بھی کی، طوفانِ نوحی تک یہ گھر ایسے ہی رہا۔ اس طوفان کے موقعہ پر آسمانی عمارت آسمان پر ہی اٹھالی گئی۔ اس کا صرف ایک یاقوت باقی رکھا گیا جو سنگِ اسود کہلایا اور زمینی عمارت گر کر سفید ٹیلے کی شکل میں رہ گئی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالےٰ کے حکم سے اور جبرائیل امین کی رہبری سے ایک گھر تعمیر کیا۔ جو مکعب شکل کا ہے۔ اسی لیے اسے کعبہ کہا گیا، پھر قوم عمالقہ نے پھر جرہم پھر قصی اور پھر قریش نے اس میں تعمیر و ترمیم کی، یہ سب تعمیریں حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ہوئیں، حضورِ انور علیہ السلام کے بعد عبداللہ بن زبیر نے، ان کے بعد حجاج بن یوسف نے گرا کر تعمیریں کیں۔ اب تک حجاج ہی کا تعمیر کردہ کعبہ موجود ہے۔ ہاں میزابِ رحمت، چوکھٹ، دروازہ اور چھت میں کچھ معمولی ترمیمیں ہوئی ہیں۔

افضلیتِ کعبہ

کعبہ معظمہ کے بے شمار فضائل ہیں۔ ان میں سے کچھ بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ بیت المقدس کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کہ آپ نے جنوں سے تعمیر کرایا۔ مگر کعبہ کے مشہور بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ اس طرح کہ ربِّ جلیل آمر حضرت خلیل معمار، جناب ذبیح اللہ سنگ بردار اور حضرت جبرائیل امین انجینیئر علیہم السلام۔

۲۔ حرم کعبہ میں بکری اور شیر ایک جگہ پانی پی لیتے ہیں، وہاں شکاری جانور بھی شکار نہیں کرتے۔

۳۔ حرم کعبہ میں تا بقیامِ قیامت جنگ و قتال حرام ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کا اثر ہے کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔ اے پروردگار اس شہر کو پُر امن بنا دے۔

۴۔ اللہ تعالےٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے پاس مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے جن کی برکت سے کعبہ ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا۔ امام اہلسنت فرماتے ہیں:۔

ے ہوتے کہاں خلیل و بناء کعبہ و منیٰ — لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

کعبہ بھی ہے انہی کی تجلّی کا ایک ظل　　روشن انہی کے نور سے پتلی حجر کی ہے

۵ کعبہ کے پاس ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے۔ بہت سے فرشتوں اور انبیاء کا قبلہ کعبہ ہی رہا۔ حج ہمیشہ کعبہ ہی کا ہوا۔

۶ کعبہ شریف پر پرندے نہیں اڑتے بلکہ اس کے آس پاس پھٹ جاتے ہیں۔

۷ روزانہ کعبہ معظمہ پر ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس نماز پڑھنے والوں کے لیے اور بیس کعبہ کے دیکھنے والوں کے لیے۔

۸ کعبہ سارے حجاز والوں خصوصاً اہلِ مکہ کی پرورش کا ذریعہ ہے۔ کہ وہ زرعی علاقہ نہیں ہے۔ وہاں معاش کے ذریعے ناپید ہیں مگر وہاں کے باشندے دوسروں سے زیادہ مزے میں ہیں، غرضیکہ وہ جگہ صرف عبادتوں کے لیے ہے۔ کماتے دنیا والے اور کھاتے کعبہ والے ہیں۔

۹ کعبہ شریف میں سنگِ اسود اور مقامِ ابراہیم قدرت کی نشانیاں ہیں۔

۱۰ ۔ رب کعبہ نے کعبہ کی حفاظت خود فرمائی۔ فیل والوں کو ابابیل سے مروا دیا۔

بزرگیِ مکہ

مکہ کی بزرگی اس وجہ سے ہے کہ یہیں کی مٹی سے اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء علیہ السلام کو پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کا جلوسِ خلافت یہیں ہوا، آپ کا تخت بھی کعبہ کی جگہ پر تھا۔ یا مکہ اس لیے برکت والا ہے۔ کہ اس میں خانہ کعبہ ہے۔ وہاں مرنے والے پر عذابِ قبر نہیں ہوتا۔ وہاں جانے والے کو جذام اور برص نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت پہلے مکہ پر نازل ہوتی ہے۔ پھر اطرافِ عالم میں پھیلتی ہے۔ پیدائشِ زمین کے وقت سے قیامِ قیامت تک ہزاروں انبیاء اولیاء، علماء اور اصفیاء کا ٹھکانہ ہے۔ کعبہ میں ہر طرف نماز پڑھنا درست ہے۔

وَھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ

کعبہ تمام عالم کے لیے مرکزِ رشد و ہدایت ہے۔ جو کوئی اس کی کرامت کو دیکھتا ہے ادیانِ

باطلہ کو چھوڑ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ دو عالم علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی حالتِ جنابت میں کعبہ پر ہاتھ رکھے گا۔ اس کا ہاتھ سوکھ جائے گا۔ ایک کافر نے امتحاناً جنابت کی حالت میں کعبہ کو چھُوا، فوراً اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔ صبح کو حاضرِ خدمت ہو کر صدقِ دل سے مسلمان ہو گیا۔

چونکہ کعبہ شریف انسان، جنات بلکہ فرشتوں کا بھی قبلہ ہے۔ اس لیے اسے عالمین کی ہدایت فرمایا گیا۔

فِيهِ اٰيَاتٌ بَيِّنَاتٌ

اس کی کھُلی نشانیاں ہیں۔ ۱ اگر پرندہ کعبہ کے اوپر سے گزرنے کا قصد کرے۔ تو جل جاتا ہے

۲ اگر درندہ شکار کا پیچھا کرے اور شکار حرم میں بھاگ آئے تو درندہ نہیں آسکتا۔ اگر آنے کا قصد کرے گا۔ تو ہلاک ہو جائے گا۔ باز اگر کبوتر وغیرہ کا پیچھا کرے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔

۳ صحرائی جانور جب بیمار ہوتے ہیں تو کعبہ کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت دے دیتا ہے۔

۴ جو کعبہ کو منہدم کرنے آئے خود ہلاک ہو جاتا ہے۔

۵۔ کوئی وقت کعبہ کے طواف سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت بایزید بسطامی چالیس دن تک کعبہ میں معتکف رہے کہ کسی وقت کعبہ کو طواف سے خالی پائیں تو جی بھر کر طواف کریں لیکن کعبہ کو کسی وقت بھی طواف سے خالی نہ پایا۔

۶ کعبہ کو دیکھنے والا کیسا ہی سنگدل کیوں نہ ہو دیکھتے ہی رونے لگتا ہے۔

۷ کعبہ کو دیکھنے والے کی بصارت زائد ہو جاتی ہے۔

۸ مس کعبہ سے بیماری دُور ہو جاتی ہے۔ اور صحتِ کاملہ حاصل ہو جاتی ہے۔

۹ ایک آدمی چوری کے جرم میں گرفتار ہو کر آیا۔ اس نے چوری سے انکار کیا اور کعبہ کی قسم کھانے کو ہاتھ اٹھایا فوراً ہاتھ خشک ہو گیا۔

۱۰ سب مسلمان کعبہ کو دوست رکھتے ہیں۔ اگرچہ انہوں اسے دیکھا نہ ہو۔

مقام ابراہیم

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ کی دیواریں اونچی کی تھیں، جس قدر دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا۔ اور شام کو اترتے وقت نیچا ہو جاتا تھا۔ یہ پتھر آپ کے قدم کی جگہ ریت یا گارے کی طرح اس طرح نرم ہو گیا تھا کہ بخوبی نشان قدم واقع ہو گئے جو اب تک اس میں موجود ہیں۔ تعمیر کعبہ کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابو قبیس میں آپ نے لوگوں کو حج کیلئے پکارا تھا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ۔

اور لوگوں میں حج کی عام منادی کر دو کہ تمہارے پاس آئیں خواہ پیدل آئیں یا ہر دور دراز مقام سے دُبلی اونٹنیوں پر آئیں۔ تاکہ یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے دینی و دنیوی منافع ہیں۔

اسی پتھر پر قدم رکھ کر آپ نے اپنی بہو یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ سے اپنا سر دھلوایا۔ خدا تعالے نے اس پتھر کو وہ عظمت بخشی کہ تمام حجاج کے سر اس کی طرف جھکوا دیئے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی

مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا

جو مسلمان حرم شریف میں آگیا وہ عذاب الٰہی سے امن میں آگیا کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے

نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا:۔

مَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ

جو شخص حرم کعبہ یا مدینہ منورہ میں مرے گا وہ شخص قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے جو ایک گھڑی بھی مکہ طیبہ کی گرمی برداشت کرے وہ دوزخ سے دو سو سال کی راہ دُور رہے گا۔ ایک جگہ یوں فرمایا کہ

مَنْ صَبَرَ عَلٰی حَرِّ مَکَّۃَ مِنْ نَّہَارٍ تَبَاعَدَ مِنْ نَّارِ جَہَنَّمَ مَسِیْرَۃَ مِائَۃِ عَامٍ۔

جو آدمی مکہ کی گرمی پر ایک دن صبر کرے وہ دوزخ کی آگ سے سو برس کی راہ دُور ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں اس طرح مروی ہے کہ حجون (مکہ کا قبرستان) اور بقیع (مدینہ کا قبرستان) کے کنارے پکڑ کر جنت میں اس طرح جھاڑ دیئے جائیں گے کہ یہاں کے تمام مدفون وہاں پہنچ جائیں گے۔

علاوہ ازیں امن سے مراد دنیوی امن بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ جو مجرم باہر سے جرم کر کے حرم شریف میں داخل ہو جائے۔ وہ امن میں آجائے گا۔ لہذا قاتل، مرتد، زانی اور چور جن پر شرعی سزائیں مقرر ہوتی ہیں یہاں پناہ لے لینے کی صورت میں سزا نہ پائیں گے، ہاں حاکم کسی تدبیر سے ان کو باہر نکلنے پر مجبور کرے گا جب وہ باہر نکلیں تو ان کو سزا دی جائے گی۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ حج میں چوں کہ ہر طرف سے لوگ کعبہ کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اس لیے اس کا نام حج رکھا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ نبی پاک علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ وَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔

جس نے حج اللہ تعالیٰ کے لیے کیا اور اس میں بیہودہ باتیں نہ کیں اور نہ گناہ کیا۔ وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹا، جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب حج کے فوائد اور رموز و اسرار بیان کیے جاتے ہیں۔

خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے۔

لِیَشْہَدُوْا مَنَافِعَ لَہُمْ

تاکہ لوگ یہاں آکر دیکھیں کہ اس حج میں ان کے لیے

کیسے کیسے فائدے ہیں۔

یعنی یہ سفر کر کے اور اس جگہ جمع ہو کر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں۔ کہ یہ انہی کے نفع کے لیے ہے۔ اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں ان کا اندازہ کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب کہ آدمی یہ کام کر کے خود دیکھ لے۔ حج کے بے شمار فوائد میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

اجرِ عظیم

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ يُرِيْدُ الْحَجَّ كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَضَعُهَا وَيَرْفَعُهَا ثَوَابَ عِتْقِ رَقَبَةٍ فَإِذَا اغْتَسَلَ وَاَرَادَ الْاِحْرَامَ خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَإِذَا لَبّٰى يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى عَبْدِيْ غَفَرْتُ لَكَ بِمَغْفِرَتِيْ فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَآءِ يَا وَلِيَّ اللهِ اِسْتَأْنِفِ الْعَمَلَ فَإِذَا اَخَذَ بِالطَّوَافِ كَتَبَ اللهُ لَهٗ بِكُلِّ طَوَافٍ سَبْعِيْنَ حَسَنَةً فَإِذَا اسْتَلَمَ الْحَجَرَ فَكَاَنَّمَا قَبَّلَ بَابَ الْجَنَّةِ فَإِذَا سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ يَكْتُبُوْنَ لَهُ الْحَسَنَاتِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَإِذَا وَقَفَ بِالْعَرَفَاتِ اَعْتَقَهُ اللهُ مِنَ النَّارِ وَيُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهٖ بِالْحَسَنَاتِ

جو شخص اپنے گھر سے حج بیت اللہ کا ارادہ کر کے نکلا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے پر ایک ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھتا ہے۔ جب وہ غسل کرتا ہے اور احرام باندھنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا اور جب لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میں نے تجھ کو اپنی مغفرت سے بخش دیا اور جب مسجد حرام میں داخل ہوتا ہے تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے اللہ کے دوست از سرِ نو عمل کی ابتداء کر اور جب طواف شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر طواف کے عوض میں ستر برس کی عبادت اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے اور جب وہ حجرِ اسود کو چومتا ہے تو گویا اس نے جنت کے دروازے کو بوسہ دیا۔ اور جب صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے۔ تو اس کے لیے ستر ہزار

فرشتے نیکیاں لکھتے ہیں۔ اور جب عرفات میں کھڑا ہوتا ہے تو خدا تعالےٰ اُسے دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے اور اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

ایک جگہ ارشادِ نبوی ہے۔

مَنْ مَاتَ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّۃَ مَجِیْئًا اَوْ ذَاھِبًا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ فِیْ کُلِّ سَنَۃٍ سَبْعِیْنَ حَجَّۃً وَّسَبْعِیْنَ عُمْرَۃً۔

جو شخص مکہ مکرمہ کے راستے مر جائے آتے ہوئے یا جاتے ہوئے تو اللہ تعالےٰ ہر سال اس کے لیے ستر حج اور ستر عمرے کا ثواب لکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت سعد بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین سے نصیحتاً فرمایا کہ حج کرنے کو پیادہ جاؤ اور پیادہ آؤ کیوں کہ میں نے نبی پاک علیہ السلام سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ سواری پر حج کے لیے جانے والے کو ہر قدم کے بدلے ستر نیکیاں ملتی ہیں۔ اور پیادہ حج کرنے والے کو ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اور ہر نیکی کا ثواب مسجدِ حرام کی نیکی کی طرح ہے اور مسجدِ حرام میں ایک نیکی کا ثواب لاکھ کے برابر ہے۔

ایک جگہ فرمایا جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے نکلے تو جب تک گھر واپس نہ آئے ہر قدم کے عوض اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس لاکھ برائیاں دور کی جاتی ہیں۔ اور دس لاکھ درجے بلند ہوتے ہیں۔ اور ہر درہم جو خرچ کرے گا۔ اس کے بدلے دس لاکھ درہم اور ہر دینار کے بدلے دس لاکھ دینار ہیں۔ اور ہر نیکی کے بدلے دس لاکھ نیکیاں ہیں۔ اور مراجعت تک اللہ تعالےٰ کی امان ہے۔ پس اگر مر گیا تو جنتی اور اگر گھر واپس آیا تو مغفور آیا۔ اور اس کی دعا مقبول ہے۔ پس اس کی دعا کو غنیمت جانو جب کہ وہ واپس آئے، قبل اسکے کہ اس سے گناہ سرزد ہو۔ قیامت کے دن اس کی شفاعت اپنے گھر والوں میں سے ایک لاکھ کے حق میں مقبول ہوگی۔

مجلیس الناصحین میں ایک حدیث میں یوں وارد ہے:۔

مَنْ مَرِضَ یَوْمًا دَاخِلًا بِمَکَّۃَ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ مِنَ الْعَمَلِ الَّذِیْ یَعْمَلُ فِیْ غَیْرِھَا عِبَادَۃَ سِتِّیْنَ سَنَۃً۔

جو شخص مکہ میں داخل ہو کر ایک دن بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ عمل جو غیر مکہ میں کرتا تھا۔ ساٹھ برس کی عبادت کے برابر لکھے گا۔

ایک حدیث میں ہے جو حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور مر جائے اس کے لیے قیامت تک حج و عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا۔

بخششِ گناہ

ترمذی میں ہے۔ کہ حج کے بعد اس کے ساتھ عمرہ کرو۔ کیوں کہ وہ دونوں فقر اور گناہ کو ایسے دور کر دیتے ہیں۔ جیسے لوہار کی بھٹی سونے چاندی اور لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ حج کرو کہ حج گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ جیسے پانی میل کو۔

نسائی شریف میں ہے کہ حج اور عمرہ کے لیے آنے والے خدا کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اسے پکاریں، وہ جواب دے اور جو اس سے بخشش چاہیں مغفرت فرمائے۔

طبرانی میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں عرض کی الٰہی تیرے جو بندے تیرے گھر کی زیارت کو آئیں اِن کو تو کیا دیتا ہے۔ فرمایا ہر مہمان کا میزبان پر حق ہے۔ اے داؤد اِن کو میں دنیا میں عافیت دوں گا۔ اور جب وہ مجھ سے ملیں گے تو میں ان کو بخشش دوں گا۔

ترمذی میں ہے جو بندہ مسلمان دن بھر احرام باندھے رہے آفتاب اس کے گناہوں کو لے کر ڈوب جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں حاضر تھا کہ ایک مرد انصاری اور ایک ثقفی حاضر خدمت ہوئے۔ سلام کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حضور سے دریافت کرنے آئے ہیں۔ فرمایا اگر تم چاہو تو میں بتا دوں جو تم پوچھنے آئے ہو اور چاہو تو تم خود بیان کرو۔ انصاری نے عرض کی آپ خود بیان کریں، آپ نے فرمایا تو مجھ سے یہ دریافت کرنے آیا ہے، کہ جب تو اپنے گھر سے بقصد بیت الحرام نکلے تو تیرے لیے کیا ثواب ہے اور طواف کے بعد تیرے لیے دو نفل رکعتوں میں کیا ثواب ہے۔ اور صفا اور مروہ کی سعی میں کیا اجر ہے۔ اور شام عرفہ کے وقوف میں کیا ثواب ہے، رمی جمار، قربانی اور طواف وداع میں کیا اجر و ثواب ہے۔ اس نے عرض کی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں آپ سے یہی باتیں دریافت کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا جب تو اپنے گھر سے بقصد بیت الحرام نکلے تو تیری اونٹنی جو قدم رکھے گی۔ اور جو اٹھائے گی اس پر تیرے لیے ایک نیکی لکھی جائیگی

اور ایک برائی محو ہوگی۔ اور طواف کے بعد دو رکعتیں ایسی ہیں۔ جیسے اولادِ اسمٰعیل سے ایک غلام آزاد کیا، صفا اور مروہ کی سعی سات غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ رہا شام عرفہ کا وقوف سو اس میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا کی طرف نزولِ رحمت فرماتا ہے۔ اور ملائکہ کے ساتھ حجاج پر فخر کرتا ہے۔ کہ دیکھو مرے بندے میرے پاس اس حال میں آئے ہیں۔ کہ ان کے بال پریشان، کپڑے اور بدن گرد آلود ہیں۔ دور دراز سے میری طرف جنّت کی اُمید پر آئے ہیں۔ ان کے گناہ اگرچہ ریت کے ذرّوں کنے برابر ہوں یا برسات کی بوندوں کے برابر ہوں، میں نے ان کو بخش دیا۔ رمی جمار میں ہر کنکری پر ایک گناہ کبیرہ مٹ جاتا ہے۔ قربانی تیرے لیے توشۂ آخرت ہے سر منڈوانے میں ہر بال کے برابر ایک نیکی ہے۔ اور ایک برائی ختم ہوجاتی ہے۔ جو بال زمین پر گرتا ہے وُہ قیامت کے دن تمہارے لیے نور ہوگا۔ طواف وداع پر ایک فرشتہ آئے گا اور اپنا ہاتھ تمہارے کندھوں کے درمیان رکھ کر کہے گا۔ تمہارے گذشتہ گناہ معاف ہوگئے۔ اَب آئندہ نئے سرے سے عمل کرو۔

ابن ماجہ میں ہے جب حاجی احرام باندھتے ہیں۔ اور تکبیر کہتے ہیں تو اللہ تعالےٰ فرشتوں سے کہتا ہے۔ میرے بندوں کو دیکھو کہ انہوں نے میرے گھر کے شوق میں لمبا سفر کیا ہے۔ گھر بار چھوڑا انکی تکبیر و تہلیل سے زمین پر ہے، تم گواہ رہو۔ کہ میں اُن سے خوش ہوں اور میں نے اِن کی توبہ قبول کی اور ان کے گناہ بخش دیئے اور بہشت ان پر حلال اور دوزخ حرام کردی۔ یہ میرے دوست ہیں۔ اور میں ان کا دوست ہوں۔ یہ میری مِلک اور میں ان کا مالک ہوں۔ میں اِن سے حساب و کتاب نہ لوں گا۔

ترمذی میں ہے۔ جو خانہ کعبہ کا پچاس بار طواف کرے گا۔ وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے۔ جیسے وُہ آج ہی شکمِ مادر سے پیدا ہُوا۔

ایک جگہ ارشادِ نبوی ہے۔ کہ حجر اسود اور رکن یمانی کو چھوڑنا گناہوں کو کم کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ کہ عرفات میں قریب غروب آفتاب رسول پاک علیہ السلام نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ لوگوں کو خاموش کراؤ۔ جب سب چپ ہوگئے، تو فرمایا ابھی میرے پاس جبرائیل امین نے آکر خدا تعالےٰ کا سلام پہنچایا، اور عرض کی، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ہم نے اہلِ عرفات اور اہلِ مشعر الحرام کو بخشدیا۔

جلیس الناصحین میں ایک حدیث ہے۔ کہ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا۔

مَنِ الشَّتَاقَ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ وَفَاضَتْ عَیْنَاہُ نَادٰی الْجَلِیْلُ جَلَّ جَلَالُہٗ یَامَلَائِکَتِیْ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ کَیْفَ فَاضَتْ عَیْنَاہُ مِنِ اشْتِیَاقِ بَیْتِیْ اِشْھَدُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَہٗ ذُنُوْبَہٗ وَسَتَرْتُ عُیُوْبَہٗ۔

جس کو زیارتِ کعبہ کا شوق ہوا اور اس اشتیاق میں اسکی آنکھیں روئیں تو اللہ تعالےٰ پکار کر فرشتوں کو کہتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو میرے گھر کے شوق میں کیسے اس کی آنکھیں رو رہی ہیں تم گواہ رہو کہ میں نے اس کے گناہ بخش دیئے۔

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ نبی پاک علیہ السلام نے دُعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ اسْتَغْفَرَ لَہُ الْحَاجُّ۔

الٰہی حاجی کی مغفرت فرما اور اس کی مغفرت فرما جس کے لیے حاجی دُعا کرے۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں اگر اللہ تعالےٰ کسی بندے کا کوئی گناہ بخشتا ہے تو جو شخص اس بندے کی جگہ پہنچ جائے اس کی بھی مغفرت فرما لیتا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہر رات اہلِ زمین کی طرف نظر کرتا ہے، اور سب سے پہلے اہلِ حرم کی طرف دیکھتا ہے۔ اہلِ حرم میں سب سے پہلے کعبہ کے گرد جمع ہونے والوں کو دیکھتا ہے۔ جس کو طواف کرتے دیکھتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔ جس کو نماز پڑھتے دیکھتا ہے اس کی مغفرت فرما لیتا ہے۔ اور جس کو کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا دیکھتا ہے اس کی بخشش فرما دیتا ہے۔

شفاعت

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حاجی قیامت کے دن اپنے گھر والوں میں سے چار سو کی سفارش کرے گا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے:۔ کہ علی بن موفق کہتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کیا۔ اور عرفہ کی شب کو منیٰ کی مسجد خیف میں ٹھہرا، میں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے سبز لباس پہنے ہوئے آسمان سے اترے۔ ایک نے دوسرے کو عبداللہ کہہ کر پکارا۔ تو دوسرے نے لبیک کہا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ اس سال ہمارے پروردگار کے گھر کا حج

کتنے لوگوں نے کیا۔ دوسرے نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ اوّل نے کہا چھ لاکھ آدمیوں نے حج کیا ہے۔ اَب تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا۔ دوسرے نے کہا۔ مجھے معلوم نہیں۔ اوّل نے کہا ان میں سے صرف چھ آدمیوں کا حج مقبول ہوا ہے۔ یہ کہہ کر وُہ دونوں آسمان کی طرف چلے گئے۔ اور نگاہوں سے غائب ہو گئے، میں خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا۔ اور نہایت شدید غم مجھ پر طاری ہوا اور مجھے اپنا فکر دامن گیر ہوا۔ کہ جب صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے۔ تو میں ان میں کہاں ہو گا۔ جب میں عرفہ میں سے لوٹ کر آیا۔ اور مشعرِ حرام کے پاس رات کو رہا تو یہی فکر تھا کہ آدمی اس کثرت سے ہیں۔ اور حج صرف چھ کا قبول ہوا۔ اتنے میں مجھے نیند ہو گئی۔ دیکھا کہ وہی دونوں فرشتے اپنی پہلی صورت میں اُترے۔ اور ایک نے دوسرے کو پکار کر وہی سابقہ تقریر کی، پھر کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس رات میں ہمارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پہلے نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے چھ آدمیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ آدمی دے دیئے یعنی ان کی سفارش ان کے حق میں مقبول ہوئی۔ اور چھ لاکھ آدمیوں کے حج قبول کر لیے گئے۔

ایک حدیث میں ہے۔

مَنْ مَّاتَ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّۃَ مُقْبِلًا اَوْ مُدْبِرًا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ اَلْبَتَّۃَ وَیُشَفَّعُ فِیْ سَبْعِیْنَ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ۔

جو شخص مکہ کے راستے میں آتے ہوئے یا جاتے ہوئے مر جائے۔ اللہ تعالےٰ ضرور اس کی مغفرت کرے گا اور وہ اپنے گھر والوں میں سے ستر آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص حج کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے۔ تو یوں گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے آج ہی اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہوا۔ اور جب تک واپس گھر نہ آئے اس کے لیے اس کے ہر قدم پر ستر برس کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور چالیس روز تک اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اس کے گھر والوں میں سے چار سو کے حق میں اس کی شفاعت قبول ہو گی۔

بیہقی میں ہے کہ جو مسلمان شام عرفہ موقف میں وقوف کرے۔ پھر قبلہ رو ہو کر لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علےٰ کلِّ شیٔ قدیر۔ سو بار کہے پھر سو بار قل ھو اللہ احد پڑھے، پھر سو بار کہے اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلےٰ آلِ محمد کما صلیتَ علیٰ ابراھیم وعلیٰ آلِ ابراھیم انک حمید مجید وعلینا معھم، تو خدا تعالےٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔ اے فرشتو! میرے اس بندے کی کیا جزا ہے۔ کہ اس نے میری پاکی بیان

کی۔ اور میری تہلیل و تکبیر اور تعظیم کی اور مجھے پہچانا۔ میری ثنا کی۔ میرے نبی پر درود بھیجا۔ اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ۔ میں نے اسے بخش دیا۔ اور اس کی شفاعت قبول کی۔ اگر میرا یہ بندہ مجھ سے مانگتا تو میں اس کی شفاعت تمام اہل موقف کے حق میں قبول فرماتا۔

حجرِ اسود کی گواہی

ابنِ ماجہ کی حدیث ہے۔ کہ جو حجرِ اسود کو ہاتھ لگاتا ہے۔ گویا رحمٰن سے مصافحہ کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حجرِ اسود جنت کے یاقوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا۔ کہ اس کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ اس شخص کی گواہی دے گا جس نے صدق دل سے اسے بوسہ دیا، نبی پاک علیہ السلام اس کو بہت بوسہ دیا کرتے تھے۔ اور مروی ہے کہ آپ نے اس پر سجدہ بھی کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پتھر کو بوسہ دیا پھر فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے۔ نہ نقصان پہنچاتا ہے۔ اور نہ نفع دیتا ہے اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا، پھر آپ رو دئیے اور رونے کی آواز بلند ہوئی پھر آپ نے اپنے پیچھے حضرت علی المرتضیٰ کو دیکھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔ اے امیر المومنین یہ پتھر ضرر اور نفع دیتا ہے۔ آپ نے پوچھا وہ کس طرح فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے عہد لیا تو ایک فرشتے نے لکھ کر اس پتھر کو کھلا دیا تھا۔ پس یہ ایماندار کے لیے عہد پورا کرنے کی اور کافر پر عہد شکنی اور انکار کی گواہی دیگا امام غزالی فرماتے ہیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت لوگ جو یہ کہتے ہیں:۔ اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ اس سے وہی عہد مراد ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

شرفِ امتِ مرحومہ

اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل ہی سے اس امتِ مرحومہ پر بطفیل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے زیادہ رحیم و کریم ہیں۔ امم سابقہ کو جو ثواب بڑے بڑے مصائب و آلام اور مشقتوں کی برداشت کے بعد ملتا وہ اس امت کو تھوڑی سی محنت سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ پہلی امتوں نے رضائے الٰہی کی تلاش میں رہبانیت ایجاد کی اہل و عیال، مال و متاع، شہر و دیار، یار و اغیار سے قطع تعلق کر کے، پہاڑوں اور جنگلوں میں تنہا رہنا اور لذات و شہوات سے بالکلیہ کنارہ کش ہونا اختیار کیا اس امت کو رحمتِ الٰہی نے ان تکالیف شاقہ سے منع

فرمایا اور ان کے لیے برکتِ جماعت ہیں رکھی گئی اور ان سے فرمادیا گیا " لا رہبانیۃ فی الاسلام " دین اسلام میں رہبانیت نہیں، مگر ہاں اس کے عوض ہم ایک ایسی آسان تدبیر بتانے دیتے ہیں۔ جس میں نہ وہ مصیبت ہو اور نہ وہ تکلیف ہو اور نہ ہی اس کی مدت طویل اور دراز ہو اور ثواب و برکات اس سے زائد حاصل ہو۔ اور وہ یہ کہ عمر بھر میں ایک بار اہلِ استطاعت پر اپنے گھر کا حج فرض کرتے ہیں۔ جو شخص ہمارے گھر کی طرف صرف حج کی غرض سے آئے گا۔ اسے ہم انواع و اقسام کی نعمتوں سے مالا مال کر دیں گے۔ اس پر ہمارے انعام و اکرام کی بارش ہو گی۔ ہم اسے وہ کچھ عطا کریں گے۔ جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

غرضیکہ سفرِ حج سے اللہ تعالیٰ اس امت کو وہ نعمتیں دیتا ہے۔ جو امم سابقہ کو بڑی مشقت کے بعد میسر آتی تھیں۔

پاکیزگی نفس

حاجی جب حج کے سفر کی تیاری کرتا ہے۔ تو یکدم اس کی طبیعت میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اس کی قلبی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اس کے دل میں محبتِ الٰہی کا دریا موجزن ہونے لگتا ہے۔ نیک خیالات کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ اپنے عزیز و اقارب سے جا کر ملتا ہے۔ ان سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگتا ہے اگر اس پر کسی کا حق ہوتا ہے۔ تو اس کی ادائیگی کی فکر کرتا ہے۔ تاکہ دربارِ خداوندی میں حقوق العباد کا بوجھ نہ لے کر جائے۔ برائی سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور اعمالِ صالحہ کی طرف راغب ہونے لگتا ہے۔ پھر جوں جوں وہ خدا کے گھر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ نیکی کے جذبے میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اس کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ کہ اس سے کسی کو اذیت نہ پہنچے، بدکاری یا وہ گوئی، بیحیائی بددیانتی جھوٹ غیبت اور جھگڑے فساد سے اپنی طبیعت کو روکتا ہے۔ کیوں کہ وہ خدا کی راہ میں جا رہا ہے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا پورا سفر عبادت کا مرقع بن جائے، فسق و فجور، ظلم و ستم، جور و جفا اور مکر و فریب کی آلودگیوں سے دور بھاگتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کا نفسِ امارہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور صغائر اور کبائر کے ارتکاب کی بجائے اعمالِ حسنہ کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح اس کا نفس پاکیزگی جیسے قیمتی زیور سے آراستہ پیراستہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سونا جاگنا، غرضیکہ اس کی ہر حرکت میں خدا کی برکت نظر آتی ہے۔ اس کے اخلاق اور عادات و اطوار میں ایک قسم کی کشش

پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بن جاتا ہے۔ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ کروٹ لیتا ہے۔ اس کو اس بات میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ کہ وہ نیکی کے کاموں میں دوسروں سے سبقت لے جائے دوسروں کو برائی کرتے دیکھ کر اس کے دل میں نفرت کے جذبات انگڑائی لیتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی نیک کام کرتے نظر آجائے تو اس کو روحانی مسرت ہوتی ہے۔ غرضیکہ حج پاکیزگی نفس کا ایک بہت بڑا کورس ہے۔ جو کسی دوسرے سفر سے حاصل نہیں ہوتا۔

سفرِ آخرت کی یاد

حج کا سفر ہمیں درس دیتا ہے۔ کہ اے حج کو جانے والے تیرا یہ سفر آخرت کے سفر کا مثیل ہے۔ اس لیے کہ اس سفر سے مراد خانہ خدا ہے۔ اور سفرِ آخرت سے مراد صاحب خانہ یعنی خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس اس سفر کے حالات اور مقدمات سے اس سفر کے احوال کو یاد کرنا چاہیئے۔ جب آدمی اپنے اہل وعیال دوست واحباب اور رشتہ داروں سے رخصت ہو تو یہ خیال کرے کہ یہ رخصت اس رخصت کی طرح ہے۔ جب کہ وہ اس دُنیائے فانی کو چھوڑ کر آخرت کی طرف سدھار جائیگا۔ جس طرح آدمی آج یہاں سب کچھ چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اسی طرح اس وقت بھی سب چھوٹ جائیں گے۔ غرضیکہ سفرِ حج کے وقت سفرِ آخرت کو نہ بھولے۔ کیونکہ یہ سفر عنقریب اسے طے کرنا ہے۔ سفرِ حج میں جو کچھ کرے اس سے سفرِ آخرت کی آسانی کی طمع کرے۔

اسی طرح حاجی حج کا سفر اختیار کرنے سے پہلے سوچتا ہے۔ کہ سفر بہت طویل ہے۔ لہذا اس سفر میں اپنے ساتھ وہ چیزیں جن سے میرا سفر آسانی سے طے ہو جائے لے جاؤں۔ لہذا اس خیال کے پیشِ نظر وہ موسم کے مطابق بستر، برتن خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے۔ کہ وہ کوئی ایسی چیز ہمراہ نہ لے جائے جو راستے میں ناکارہ ہو جائے سفر میں سہولت کے لیے اچھی سواری کا انتخاب کرتا ہے۔ ان تمام انتظامات کے وقت حاجی کو سوچنا چاہیئے۔ کہ سفرِ آخرت اس سفر کی نسبت کہیں دراز ہے۔ اس کا توشہ اور سامان تقوےٰ اور پرہیزگاری اور نیک اعمال ہیں۔ جب حج کے تھوڑے سفر کے لیے اتنا کچھ سوچتا ہے تو سفرِ آخرت

کے لیے تو بہت زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ نیک اعمال کی کثرت اخلاق کی درستی معاملات اور عبادات کی درستی اس سفر آخرت کے لیے زادِ راہ ہیں لہٰذا انسان کو زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی طرف راغب رہنا چاہیئے کیوں کہ سفر میں جتنا زیادہ زادِ راہ ہوگا۔ اتنا ہی وہ سفر آسانی سے طے ہوگا۔ اور اگر زادِ راہ میں کہیں کمی واقع ہوگئی تو سفر میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آئیں گی۔

جنازہ کی یاد

جب حاجی سفر حج طے کرنے کے لیے سواری پر سوار ہو تو اسے شکرِ خدا ادا کرنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے اسے اپنی نعمت سے مشقتِ گراں سے بچایا۔ اور سواری جیسی نعمت سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا۔ اس سواری پر سوار ہونے کے وقت اِسے یہ تصور کرنا چاہیئے کہ دارِ آخرت کی سواری بھی ایک روز اسی طرح سامنے آجائے گی، یعنی جنازہ کی تیاری ہوگی۔ اور اسے چارپائی پر اُٹھا کر قبرستان کی طرف لے جائیں گے۔ حج کی سواری حاجی کو کئی خوبصورت شہروں کی سیر کراتی ہے۔ ٹھنڈی ہواؤں، خوبصورت علاقوں، ہوادار مکانوں مجمع خلائق میں لے جاتی ہے۔ لیکن دارِ آخرت کی سواری انسان کو بیکس و تنہا سب اعزا و اقربا سے چھڑا کر ایک تنگ و تاریک مکان میں لے جائے گی۔ جس کا نام قبر ہے لہٰذا حاجی کو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ سفرِ حج میں گناہ فسق و فجور اور جنگ جدال سے بچے اور ہر وقت اطاعتِ الٰہی میں سرگرم رہے۔ ریاکاری اور شہرت سے بچتا رہے۔ کہ اس سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ اور سفرِ حج کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو آخرت کے سفرِ طویل میں سخت وقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جس طرح حج پر جانے والے کو اس کے رشتہ دار دوست احباب اور محلے والے واقف کار اسٹیشن تک چھوڑنے آتے ہیں یا کچھ جہاز تک چھوڑنے آتے ہیں۔ لیکن ساتھ کوئی نہیں جاتا آخر کار اس کو اکیلے سفر کرنا پڑتا ہے۔ سب احباب آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اِسی طرح جنازہ کے ساتھ محلہ والے بھی ہوتے ہیں۔ رشتہ دار اور گھر والے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض جنازہ پڑھ کر واپس گھروں کو آجاتے ہیں۔ اور مرنے والے کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ وُہ دفن

تک ساتھ رہتے ہیں، جہاں مرنے والا دفن ہو گیا، سب عزیز و اقارب بہن بھائی ماں باپ بیٹے اپنے پرائے ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اب اسے اکیلے ہی اس تاریک اور تنگ مکان میں رہنا ہو گا۔ الغرض سواری حاجی کے لیے بہترین درس عبرت ہے۔

درس تواضع اور کفن کی یاد

سفر حج میں ایک حد ایسی آتی ہے جہاں سے کوئی حاجی احرام باندھے آگے نہیں بڑھ سکتا احرام ایک درویشانہ اور فقیرانہ لباس ہے اس میں ایک چادر ایک تہبند اور جوتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ زیب و زینت ترک کرو۔ اور فقیر بن کر خدا کے دربار کی طرف چلو، موزے نہ پہنو، سر کھلا رکھو، خوشبو نہ لگاؤ۔ بال نہ بناؤ، سادہ اور درویشانہ شکل اختیار کرو۔ عورت کی طرف رغبت نہ کرو۔ بلکہ ایسی حرکات و سکنات سے پرہیز کرو۔ جو اس تعلق کا شوق دلانے والی ہوں۔ بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے سے بھی گریز کرو۔ جب ظاہر میں یہ رنگ اختیار کرو گے تو اس کا اثر باطن پر بھی پڑے گا۔ کبر و غرور نخوت اور خود پسندی دور ہو گی، مسکینی عجز و انکساری اور تواضع پیدا ہو گی، دنیاوی جاہ و جلال اور لذات کی جو آلائشیں روح کو لگ گئی تھیں۔ وہ صاف ہوں گی اور خدا پرستی کا جذبہ فروغ پائیگا

چونکہ احرام میں زیب و زینت اور آراستگی سے کنارہ کشی ہے لہذا اس میں اخلاص اور تعظیم کی صورت پائی جاتی ہے بمسکنت، خستہ حالی اور خوف الٰہی ظاہر ہونے کا موقع پایا جاتا ہے۔ اور اس طرح نفس کو اپنی خواہشات پورا کرنے میں مطلق العنانی سے بچایا جاتا ہے۔

احرام کی دونوں چادروں کو پہنتے وقت اپنے کفن کو اور اس میں اپنے لپٹنے کو یاد کرنا چاہیے کیونکہ احرام کی چادریں تو مسلمان اس وقت باندھتا ہے جب خانہ کعبہ سے نزدیک ہونے لگتا ہے اور کیا عجب ہے کہ یہ سفر پورا نہ ہوا اور کفن لپٹے ہوئے خدا سے ملاقات ہو جائے۔ جیسے خدا تعالیٰ کے گھر خانہ کعبہ کی زیارت بغیر احرام کے نہیں ہوتی۔ اسی طرح صاحب خانہ خدا تعالیٰ کی زیارت بغیر کفن میں لپٹے نہیں ہو گی۔ احرام کا کپڑا کفن کے کپڑے کے مشابہ ہے۔ اور وہ اس طرح کہ احرام بھی بے سلا ہے۔ اور کفن بھی سلا ہوا نہیں ہوتا۔

جب احرام کفن کی یاد دلاتا ہے۔ تو انسان کو ہر وقت موت یاد رکھنی چاہیئے۔ موت کی

سختیوں اُور عذابِ قبر سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ خدا کی یاد میں زندگی بسر کرے۔ دُنیا میں ایسے کام نہ کرے کہ موت کے وقت ندامت کا سامان کرنا پڑے۔

"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

احوالِ قبر

سفرِ حج کے دوران جب جنگلوں بیابانوں اور سنسان علاقوں سے گزر ہو تو وہ احوال یاد کر لینے چاہئیں۔ جو موت کے باعث دُنیا سے نکل کر قیامت تک ہوں گے۔ جنگلوں میں اگر ڈاکوؤں اور رہزنوں کا خطرہ ہے تو قبر میں منکر نکیر کے سوالات کا خطرہ ہے۔ شیطان لعین کے ورغلانے کا خطرہ ہے۔ سفرِ حج میں اگر یہ خطرہ ہے کہ رہزن مال اُور سامان نہ چوری کر لیں تو قبر میں یہ خطرہ ہے۔ کہ شیطان ایمان نہ چوری کرلے۔ جنگل میں اگر درندوں اُور وحشی جانوروں کا خوف ہے تو قبر میں سانپ بچھو اور کیڑے ہوں گے۔ جنگل میں اگر اپنے عزیز و اقارب سے جُدا ہے تو قبر بھی وحشت سختی اُور تنہائی کی جگہ ہے۔ جیسے جنگل کی مصیبتوں سے بلا رہبر کے بچنا ناممکن ہے۔ اسی طرح بغیر عبادت کے قبر کے عذاب سے نجات ممکن نہیں۔

یاد رہے کہ زمین روزانہ پانچ مرتبہ انسان کو اس ندا سے یاد کرتی ہے کہ

يَا ابْنَ آدَمَ تَمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ وَمَصِيْرُكَ فِيْ بَطْنِيْ وَتَعْصِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ وَتُعَذَّبُ فِيْ بَطْنِيْ تَضْحَكُ عَلٰى ظَهْرِيْ وَتَبْكِيْ فِيْ بَطْنِيْ وَتَجْمَعُ الْمَالَ عَلٰى ظَهْرِيْ وَتَنْدَمُ فِيْ بَطْنِيْ وَتَأْكُلُ الْحَرَامَ عَلٰى ظَهْرِيْ تَأْكُلُكَ الدِّيْدَانُ فِيْ بَطْنِيْ

اے بنی نوعِ انسان تو میری پیٹھ پر چلتا ہے تیرا ٹھکانا میرا پیٹ ہے۔ میری پیٹھ پر تو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ میرے پیٹ پر تجھے عذاب دیا جائے گا، میری پشت پر تو قہقہے لگاتا پھرتا ہے میرے اندر آکر روئے گا۔ میرے اوپر تو مال کا ذخیرہ کرتا ہے میرے اندر آکر پشیمان ہوگا۔ اُور میرے اوپر حرام اشیاء کھاتا پھرتا ہے۔ میرے اندر تجھے کیڑے کھائیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب بے نماز قبر میں جاتا ہے تو خُدا تعالےٰ اس پر ایک سانپ مسلط کرتا ہے۔ جس کے پنجے لوہے کے ہوتے ہیں۔ وہ اس کو ایک پنجہ مارتا ہے تو ستر گز زمین کے اندر دھنسا

دیتا ہے۔ پھر اس بے نماز کو ڈستا ہے۔ اور کہتا ہے ۔........... تو نے فجر کی نماز نہ پڑھی میں تجھے فجر سے ظہر تک عذاب دیتا رہوں گا۔ تو نے عصر کی نماز نہ پڑھی میں مغرب تک تجھے اسی طرح ایذا دیتا رہوں گا۔ تو نے مغرب کی نماز نہ پڑھی میں عشا تک تجھے سزا دوں گا۔ اور تو نے عشاء کی نماز نہ پڑھی میں تجھے فجر تک اسی طرح عذابات کے شکنجے میں جکڑے رکھوں گا۔

خوف و رجا

مسلمان کو چاہیئے کہ میقات پر احرام اور لبیک کہنے سے یہ خیال کرے ، کہ لبیک کے معنی یہ ہیں۔ کہ خدا کی پکار پر یہ کہنا کہ میں حاضر ہوں تو اس وقت یہ امید رکھتے کہ میرا لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ کہنا مقبول بارگاہِ خداوندی ہوا اور ساتھ ہی یہ بھی خوف رکھتے کہ کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تیری یہ حاضری ہماری بارگاہ میں قبول نہیں ۔ خوف و رجا کے درمیان متردد ہے اور اپنی تاب و طاقت سے الگ رہے یعنی اپنے اعمال پر تکیہ اور بھروسہ نہ کرے بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل و کرم پر نگاہ رکھتے ۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ایک بار امام زین العابدین نے سفر حج اختیار کیا ، جب آپ نے احرام باندھا اور سواری پر چڑھ بیٹھے تو رنگ زرد ہو گیا اور لرزہ بر اندام ہو گئے ، لبیک کہنے کی طاقت نہ رہی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ لبیک کیوں نہیں کہتے ؟ فرمایا ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تیرا لبیک کہنا ہماری بارگاہ میں قبول نہیں ، پھر جب آپ نے لبیک کہا تو بیہوش ہو کر سواری سے گر پڑے اور انتہیر حج تک یہی حالت آپ پر طاری رہی ۔

احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں ابو سلیمان درانی کے ساتھ تھا۔ جب انہوں نے احرام باندھا تو ایک میل تک اسی طرح چلے آئے اور لبیک نہ کہی ، پھر ان کو غش آ گیا ۔ افاقہ کے بعد فرمایا ! اے احمد اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ظالموں سے کہہ دو کہ مجھے یاد نہ کریں ان میں سے جو مجھے یاد کرتا ہے ، میں اسے لعنت کے ساتھ یاد کرتا ہوں ۔ اے احمد میں نے سنا جو حرام ذرائع سے حج کرتا ہے ۔ اور لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالےٰ کہتا ہے کہ تیرا لبیک کہنا ہمارے دربار میں مقبول نہیں ہے جب تک تو اس حرام چیز کو ترک نہ کر دے

جو تیرے قبضے میں ہے۔

خدا تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ اور لوگوں کو حج کے لیے پکار دو انہوں نے لوگوں کو حج کے لیے بلایا آپ کی اس پکار کا جواب حاجی لبّیک کہہ کر دیتا ہے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے گھر کی طرف بلایا ہے تو میں حاضر ہوں۔ اس وقت تصوّر کرنا چاہیئے کہ قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں اپنے دربار میں بلائے گا۔ اس وقت سب لوگ اپنی قبروں سے اُٹھ کر میدانِ حشر کی طرف اسی طرح جائیں گے جس طرح لوگ آج خانہ کعبہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جس طرح آج حج کو جانے والوں کی یہ کیفیت ہے کہ کوئی ہوائی جہاز پر سوار ہے کوئی بحری جہاز پر کوئی ٹرین پر کوئی اونٹ پر کوئی لاری پر اور کوئی ٹیکسی پر اور کوئی ہے کہ پیدل چل رہا ہے۔ اسی طرح لوگ جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو بعض وہ ہوں گے جو بُراق پر سوار ہو کر میدان محشر کی طرف جائیں گے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا۔ وفدٌ جمع وَافِدٌ بمعنی سوار، قیامت کا دن وہ ہے جس دن پرہیزگاروں کو براق پر سوار کر کے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں لایا جائے گا۔ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن لوگ تین قسم کے ہوں گے۔ ایک جماعت پیدل، دوسری سوار اور تیسری وہ جماعت ہوگی جو اپنے چہروں کے بل چلے گی۔

حج کا سفر کرنے والوں میں سے بعض حسین و جمیل اور گوری رنگت کے لوگ ہوتے ہیں اور بعض سیاہ فام ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن جب لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو کیفیت یہ ہوگی کہ اللہ کے نیک بندوں کے چہرے سفید اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ اور کفار و فجار کے چہروں پر اداسی اور ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔	جس روز بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض سیاہ ہوں گے اور جن کے چہرے سیاہ ہونگے ان سے کہا جائے گا۔ کیا تم کافر ہوئے بعد ایمان لانے کے پس چکھو عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے اور جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

جس طرح حاجیوں کو میقات میں تردّد ہوتا ہے کہ معلوم نہیں حج کا پورا کرنا اور اس کا مقبول

ہونا میسر ہو گا یا نہیں ۔ اسی طرح جب لوگ قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے تو ابتداءً میں خوف و رجا کے درمیان متردد ہوں گے کہ نہ جانے ہماری بخشش ہو گی یا نہیں ۔

حج کے زمانے میں دنیا کے ہر گوشے سے لوگ حج کے لیے خانہ کعبہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، پھر ان سب آنے والوں کے دو فریق ہو جاتے ہیں۔ ایک فریق وُہ جن کا حج اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے اور ان کو ان کے اِس عمل کے صلہ میں اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے اور ایک فریق وہ ہے جن کا حج نامنظور ہوتا ہے، ان کا سفر بیکار اس سفر میں کیے جانے والے اعمال اکارت۔ اسی طرح قیامت کے دن سب لوگ رب تعالیٰ کے دربار کی طرف لپکے چلیں آئیں گے۔ ان کا حساب ہوگا۔ تو دو گروہ بن جائیں گے۔ ایک گروہ جنّت میں جائے گا۔ اور وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا۔ اور دوسرا گروہ یعنی کفّار کی جماعت ایسی ہوگی، جن کو دوزخ جانے کا حکم ہوگا۔ یہ وُہ ہوں گے کہ ان کی دُنیا میں کی جانے والی نیکیاں برباد ہوں گی ۔

غرضیکہ جتنا غور و فکر کرتے جاؤ یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حج کا سفر، سفرِ آخرت سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں سفرِ آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

مشابہت ملائکہ

ملائکہ مقربین عرشِ عظیم کے گرد اور ملاءِ اعلیٰ بیت المعمور کے گرد طواف کرتے ہیں اور یہ دونوں خانہ کعبہ کے محاذ میں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے عرشِ الٰہی کے نیچے نور کے دریا میں غوطہ زن ہو کر غسل کرتے ہیں، اور نور کی چادریں اوڑھتے ہیں۔ اور بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ اسی طرح حاجی لوگ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جس وقت آسمانوں میں فرشتے طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی وقت زمین میں حاجی لوگ طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح حاجیوں کو ان فرشتوں سے مشابہت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور حدیث میں ہے :-

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۔ جو کسی قوم کی مشابہت رکھتا ہے۔ وُہ اسی میں سے ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا فضلِ عمیم ہے کہ حاجیوں کو مقبول اور معصوم گروہ ملائکہ سے مشابہت ملی۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ طواف سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسم خانہ کعبہ کا طواف کرے بلکہ مقصود یہ ہے کہ مسلمان کا دل رب البیت کا طواف کرے کیوں کہ عمدہ طواف دل کا طواف ہے۔ خانہ کعبہ عالم ظاہری میں ہے۔ اس کا طواف

ظاہر جسم کے ساتھ ہوا۔ رب البیت عالم باطنی میں ہے اس کا طواف باطنی چیز یعنی دل کے ساتھ کرنا چاہیئے، جو مقبولان بارگاہِ الٰہی دل سے رب البیت کا طواف کرتے ہیں۔ خانہ کعبہ ان کی زیارت اور طواف کرتا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر زیارتِ بیت اللہ شریف کا شوق از حد غالب ہوا ایک روز اس بے قراری میں آپ نے دیکھا کہ تمام جن و انس نماز پڑھتے ہیں اور آپ کی طرف سجدہ کرتے ہیں آپ اس کیفیت سے نہایت متحیر ہوئے متوجہ کشف اسرار ہوئے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ آپ کی زیارت کے لیے آیا ہوا ہے اور آپ کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس وجہ سے جو کوئی کعبہ کو سجدہ کرتا ہے وہ آپ کی طرف معلوم ہوتا ہے اسی اثنا میں الہام ہوا کہ تو ہمیشہ زیارتِ کعبہ کا مشتاق رہتا تھا۔ اس لیے ہم نے خانہ کعبہ کو تیری زیارت کے لیے بھیج دیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف ٭ کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا
اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبے پہ نثار ٭ شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے شامی شریف میں لکھا ہے کہ انصاف کی بات وہ ہے جو امام نسفی نے ذکر کی ہے، کہ جب ان سے پوچھا گیا کیا ایسی بات کرنی جائز ہے کہ کعبہ کسی اولیاء کی زیارت کرنے جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ خلافِ عادت کرامت کے طور پر اہل سنت کے نزدیک اولیاء کے لیے جائز ہے۔ کیسی خوش قسمت اور مبارک ہیں وہ ہستیاں جن کو بارگاہِ ایزدی سے یہ انعام ملتا ہے کہ خدا کا گھر کعبہ ان کی زیارت کے لیے ان کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔

یادِ میزان

صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ایسا ہے۔ جیسے کہ کوئی غلام بادشاہ کے محل کے چوک میں بار بار آتا جاتا ہے۔ تاکہ بادشاہ کے حضور اپنا خلوص ظاہر کرے اور اس کی نظرِ رحمت اور نظرِ التفات سے سرفراز ہو جائے یا صفا اور مروہ کے درمیان آمد و رفت کے وقت یہ خیال کرنا چاہیئے کہ میدان قیامت میں اعمال کا وزن کرنے کے لیے میزان قائم کیا جائے گا۔ اور اس وقت میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان انسان اسی طرح بھاگے گا۔ کہ دیکھوں کونسا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ کونسا غالب اور کونسا مغلوب

ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۔

اور وزن اس دن ٹھیک ہوگا۔ سو جن کے تول بھاری ہوں گے۔ وہی لوگ بامراد ہوں گے اور جن کے تول ہلکے ہوں گے وہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا اس وجہ سے کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔

میدانِ محشر کی یاد

جب حاجی میدانِ عرفات میں وقوف کرتے ہیں تو حالت یہ ہوتی ہے کہ لوگ مختلف اطراف و اکناف سے آکر اس ایک میدان میں جمع ہو جاتے ہیں لوگوں کا جم غفیر اژدہام کثیر اور اجتماع بے نظیر ہوتا ہے اس وقت ہر کوئی اپنی اپنی زبان میں خدا کو یاد کرتا ہے۔ ہر فرقہ اپنے اپنے اماموں کے ساتھ اور ہر قافلہ اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ جوان میں بھی ضعیف اور قوی بھی بچے بھی اور بڑے بھی عورتیں بھی اور مرد بھی۔

اسی طرح عرصاتِ قیامت میں تمام مخلوق جمع ہو گی اور ہر ایک اپنی اپنی فکر میں ہوگا۔ مختلف زبانیں طرح طرح کی آوازیں رنگ رنگ کی صورتیں ہوں گی پھر ہر فرقہ اپنے امام کے ساتھ ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۔ جس دن ہم اس دن ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے

انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کے لیے کھڑے ہوں گے۔ گنہگار نیکوں سے شفاعت طلب کریں گے۔ میدانِ عرفات میں ہر معلم اپنے متعلق حاجیوں کے لیے خیمے نصب کرتا ہے ہر معلم کے حاجی اپنے مخصوص خیموں میں چلے جاتے ہیں۔

اسی طرح قیامت کے دن مختلف جھنڈے مختلف اماموں کے ہاتھ میں ہوں گے۔ ہر گروہ اپنے امام کے جھنڈے تلے ہوگا۔ صبر کا جھنڈا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور صابرین اس کے نیچے ہوں گے۔ سخاوت کا جھنڈا حضرت عثمان غنی کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہاں سخی جمع ہوں گے، شجاعت کا جھنڈا

علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہاں غازیوں کا مجمع ہوگا۔

علاوہ ازیں جب حاجی میدان عرفات میں جمع ہوں توان کو یہ تصور کرنا چاہیئے کہ آج کا دن افضل الآیام ہے۔ اور آج رحمتِ الٰہی خلق کی طرف متوجہ ہے۔ اور یہ موقف ہرگز اوتاد، ابدال، صلحا اور اولیاء سے خالی نہیں۔ یہ نفوسِ قدسیہ رب کے حضور گڑگڑاتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں اللہ تعالےٰ ان مقبولوں کے صدقے سے تمام حاضرین پر اپنی رحمت کی بارش برساتا ہے۔ کیوں کہ اُس کریم کی یہ عادت نہیں کہ مجمع سائلین میں سے بعض کو دے اور بعض کو محروم پھیر دے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔

ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت و محروم نہیں رہتا۔

علاوہ ازیں یہ خدا کے برگزیدہ بندے ہرگز تنہا اپنی مغفرت اور قضائے حاجت کے طلبگار نہیں بلکہ تمام اہل موقف کو ان کی دعا شامل ہے۔ اور اللہ تعالےٰ تمام کے گناہ بخش دیتا ہے۔

علاوہ ازیں میدانِ عرفات کے اجتماع میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی شوکت اور کثرت کا اظہار ہو۔ اسلام کے غلبے کی شہرت ہو دُور دراز ملکوں میں پہنچے۔ غیر مسلم اسلام کی حقانیت کے قائل ہو کر دین اسلام کی طرف راغب ہوں۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت میں اضافہ ہو۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسا مثالی اجتماع پیش نہیں کرسکتی۔

اطاعت امر

رمی جمار حاجی کے لیے اطاعت امر کا بہترین درس ہے۔ اس لیے کہ بظاہر یہ بات عقل و خرد کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ کیوں کہ کنکریاں ایک بے جان چیز کو ماری جائیں تو کوئی فائدہ نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس فعل کی کوئی غایت نظر آتی ہے۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھیں تو ایک مکمل غرض و غایت اس میں موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ کے جس ارشاد کی حکمت سمجھ میں نہ آئے اس کی تعمیل کمال عبودیت کی علامت ہے۔ کیوں کہ جس کام کی خوبی اور منفعت سمجھ لی۔ اس میں محض اطاعت نہ رہی، بندہ وُہ جو مولیٰ کے حکم میں عقل کو دخل نہ دے، مردہ بدست زندہ ہو جائے۔ طبیب مریض کو جو دوا دے وہ پی لیتا ہے۔ اگرچہ مریض اس دوا کے خواص سے ناواقف ہو کیوں کہ وُہ سمجھتا ہے۔ کہ طبیب میرے حق میں مہربان ہے۔ اور ازالۂ مرض کی فکر رکھتا ہے اس نے جو دوا دی ہے

اس میں کوئی فائدہ ضرور ہے۔ اسی طرح خالقِ کائنات نے جو رمی جمار کا حکم دیا ہے اس میں کوئی ضرور فائدہ ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ فائدہ محسوس نہیں ہوتا اس عمل میں یہ فائدہ ہے کہ انسان میں اطاعت امر کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خواہ اس امر کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

علاوہ ازیں رمی جمار میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے سے روکنا چاہا۔ اس لعین نے ہر ممکن کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ کا خلیل امتثال امر سے باز رہے اور اطاعتِ خداوندی سے منہ موڑ لے لیکن آپ نے شیطان کے تمام حربوں کو ناکام بنا دیا۔ اس کے تمام ناپاک منصوبے خاک میں ملا دیے اور احسن طریقے سے حکم خداوندی کی تعمیل کی۔ جب حاجی یہاں پہنچ کر کنکریاں مارتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ سارا واقعہ گھوم جاتا ہے اور اس کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ شیطان چاہے مجھے کتنا ہی نیک کام کرنے سے روکنے کی کوشش کرے میں ہرگز نیکی سے باز نہ آؤں گا۔ اس ازلی دشمنِ انسانیت کے تمام حربوں کو ناکام بناتا ہوا احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ اور اعمالِ صالحہ کی طرف راغب رہوں گا۔

رضائے الٰہی سے موافقت

حاجی لوگ قربانی کرتے ہیں۔ قربانی حاجی کو یہ درس دیتی ہے کہ ایک مومن کا یہ شیوہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ہر ارادے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے موافق اس کے نام پر قربان کر دے۔ رسولِ پاک علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اگر ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی صرف یہ نہ تھی۔ کہ انہوں نے ایک دنبہ ذبح کیا۔ بلکہ آپ کی قربانی یہ تھی کہ انہوں نے دنبہ ذبح کرنے سے پہلے اپنی ہر خواہش کو خدا تعالیٰ کی رضا کے موافق قربان کر دیا۔ آپ نے خدا کی توحید کی تبلیغ کی۔ اپنے آبائی وطن کو چھوڑا اور وہاں سے ہجرت فرما کر ملک شام کی طرف چلے گئے صرف اللہ کا ذکر سننے کے لیے ذاکرین کی ایک جماعت کو گھر کا سب مال و متاع بخش دیا۔ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی بیوی سیدہ حاجرہ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیل کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آئے فرزندِ ارجمند کے معصوم حلق پر تیز دھار چھری صرف اس لیے چلائی کہ اپنے تمام ارادے پورے طور پر ذبح اور قربان کر دیں

اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا صحیح معنوں میں حاصل ہو جائے۔

قربانی کرتے وقت صرف گوشت خوری کی طرف خیال نہ ہو بلکہ بکرے کے ذبح کے ساتھ ساتھ انسان اپنے تمام شہوانی ارادے اور نفسانی خواہشات کو بھی طاعات اور عبادات کی چھری سے پورے طور پر ذبح کر دے اور ہر حال میں اللہ جل جلالہٗ کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر صابر و شاکر ہونے کا عادی ہو جائے۔ یہی حقیقی قربانی ہے ارشاد ربانی ہے۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ ۔

اللہ تعالیٰ کو ان (قربانیوں) کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

مطلب واضح ہے کہ قربانی کا گوشت تو لوگ کھاتے ہیں اور خون زمین پی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان میں سے کسی چیز کی حاجت نہیں اس کو تو صرف تقویٰ، پرہیزگاری اخلاص اور نیک نیتی پسند ہے۔

درس جہاد

حرمین شریفین کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان ان لوگوں کے آثار دیکھتا ہے۔ جنہوں نے اللہ کی بندگی اور اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، دنیا بھر سے لڑے مصائب و آلام برداشت کئے ظلم و ستم برداشت کیے وطن مالوف سے ہجرت کی، مگر آخر کار اعلائے کلمۃ اللہ میں کامیاب و کامران ہوئے اسلامی پرچم کو بلند کیا اور باطل قوتوں کو سرنگوں کیا۔ ایسے مقدس لوگوں کی نشانیاں دیکھ کر قدرتی طور پر انسان کے دل میں جذبہ جہاد بیدار ہوتا ہے۔ عزم و ہمت اور استقلال کا جو سبق ان بزرگوں کے آثار سے ملتا ہے۔ شاید ہی کسی دوسری چیز سے مل سکے مناسک حج میں دوڑ دھوپ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ حاجی خورد و نوش کا سامان اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مجاہد بھی جنگ کے دنوں معمولی خوراک بھنے ہوئے چنے وغیرہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ حاجی کو دورانِ سفر بعض اوقات کٹھن منزلوں اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑتا ہے مجاہد اور غازی کو بھی جنگ کے دنوں میں جنگلوں ریگستانوں اور پہاڑوں کے مشکل ترین راستوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

حاجی کا سفر حج محض اس لیے ہے کہ خدا کے ارشاد کی تعمیل ہو اس کی رضا حاصل ہو۔ مجاہد

کے سفرِ جہاد کی غرض و غایت بھی صرف یہ ہے کہ ، لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا یعنی اللہ کا نام بلند ہو اس کے حکم کی فرمانبرداری ہو ، اس کے نام کے چرچے ہوں اس کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو ۔ غرضیکہ سفرِ حج جہاد کا بہترین سبق ہے ۔

دینی جذبے کا فروغ

ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کرنے جاتے ہیں ۔ یہ لوگ دنیا کے مختلف ملکوں علاقوں شہروں قصبوں بستیوں دیہاتوں اور گاؤں سے آنے والے ہوتے ہیں ۔ جب یہ لوگ اپنے اپنے علاقے سے حج کی تیاری میں مصروف ہوتے ہیں تو اسلامی زندگی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے ۔ حج کا موسم عجیب ولولہ انگیزی کا پیغام لے کر آتا ہے ۔ تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک دنیا کے مختلف حصوں سے مختلف لوگ حج کی تیاری کر کے نکلتے ہیں ۔ اور اُدھر ذی الحجہ کے آخر سے صفر ، ربیع الاوّل بلکہ ربیع الثانی تک واپسی کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ اِس چھ سات مہینے کی مدت تک گویا مسلسل تمام روئے زمین کی مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت رہتی ہے ۔ جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں ۔ وُہ تو دینی کیفیت سے سرشار ہوتے ہی ہیں ۔ مگر جو نہیں جاتے ان کو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے ان کے گزرنے اور پھر واپسی پر ان کا استقبال کرنے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ سے تھوڑا یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے ۔ حاجیوں سے حج کے حالات سننے سے انسان کے دل میں مکہ معظمہ کے شہر خانہ کعبہ ، مدینہ طیبہ کے شہر مسجد نبوی غار ثور ، غارِ حرا اور دیگر متبرک مقامات کی زیارت کا شوق پیدا ہوتا ہے ۔ وُہ دن رات خدا سے دعائیں کرنے لگتا ہے کہ الٰہی مجھے بھی حج جیسی نعمت سے سرفراز فرما ۔ نماز کی طرف راغب ہوتا ہے ۔ خدا رسیدہ بزرگوں سے دعائیں کراتا ہے ۔ اس طرح اس کے اندر دینی جذبے کو فروغ ہوتا ہے ۔ اسلام کی عظمت اور احکامات الٰہیہ کی تعمیل کرنے لگتا ہے ۔ اس کی کوشش ہوتی ہے ۔ کہ میں حج کے لیے ایسی کمائی کروں جو حلال اور جائز ذرائع سے حاصل ہو ، ایسا مال نہ ہو جو ناجائز طور پر کمایا ہوا ہو کیوں کہ ایسے مال سے کیا ہوا حج مقبول نہیں ہوتا بلکہ مردود ہوتا ہے ۔ الغرض حج انسان کے اندر دینی اور مذہبی جذبات پیدا کرتا ہے ۔

درسِ اخوت

دُنیا بھر کے مختلف ملکوں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ،

حج کے لیے ایک مرکز پر یک جہتی ہم خیال، ہم آہنگی، پاک جذبات، نیک مقاصد اور نیک اعمال کے ساتھ ایک جگہ اکٹھے ہونے میں بہت سے فائدے ہیں۔ تمام دُنیا کے مسلمان جب ایک جگہ مل بیٹھتے ہیں۔ تو ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں ایک دوسرے کی مشکلات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مختلف ملکوں کے طرزِ تمدن اخلاق اور معاملات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی تہذیب ثقافت اور بود و باش کا پتہ چلتا ہے۔ جو ملک ترقی یافتہ ہیں ان کی ترقی کے اسباب و علل معلوم کر کے دوسرے غیر ترقی یافتہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں ان کے ذرائع پیداوار یعنی زراعت، صنعت و حرفت، تجارت اور لین دین کے اصول معلوم کر کے اپنے ملک کی پیداوار میں اضافے کے منصوبے بنائے جا سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس فقید المثال اجتماع میں اخوت و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ہمدردی اور باہمی تعاون کے جذبات اُبھرتے ہیں۔ اس مجمع کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو مختلف ملکوں قوموں، نسلوں اور رنگوں کے لوگوں کو ایک لڑی میں منسلک کر دیتا ہے اس دین فطرت کے سوا کسی دوسرے مذہب میں ایسی کشش اور جاذبیت نہیں۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو ذات پات اونچ نیچ اور خاندانی تفاخر اور نسلی امتیاز کو ختم کر کے تمام دُنیا کے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیتا ہے۔ حج کے لیے آنے والے لوگ اگرچہ مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جب میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے سب ایک ہی برادری کے افراد ہیں۔ اسلامی جذبۂ اخوت نے ان سب کو ایک ہی مقصد کے لیے یکجا جمع کیا ہے۔

دُنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں مگر کس طرح؟ میدان جنگ میں گلے کاٹنے کے لیے یا صلح کانفرنسوں میں ملکوں کی تقسیم کے لیے یا مجلس اقوام متحدہ میں، تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے فریب سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دِلی سے ملنا نیک اخلاق اور پاکیزہ خیالات کے ساتھ ملنا محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا قلبی اور روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا خیالات، اعمال اور مقاصد کی یکجہتی کے ساتھ ملنا اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا۔ کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دُنیا میں امن قائم کرنے قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کی بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کا یہ نسخہ صرف اسلام ہی نے تجویز کیا ہے۔

درسِ امن

اسلام نے لازم کیا ہے۔ کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ ان میں کوشش کی جائے کہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے یہ دنیا میں امن قائم کرنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے۔ اگر تمام دنیا پر اسلام کی حکمرانی ہو تو مسلمانوں کی پوری کوشش یہ ہوگی۔ کہ دُنیا میں ایسی بدامنی برپا نہ ہونے پائے جس سے حج اور عمرے کا نظام معطل ہو جائے۔

اسلام نے دُنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے۔ جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں جس کی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جاسکتا جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔

اسلام نے دُنیا کو وہ مرکز دیا ہے جہاں تمام انسانوں کے حقوق برابر ہیں۔ اس مرکز میں کسی کو کسی قسم کا ہتھیار لانے کی اجازت نہیں اس مرکز میں غلے اور عام ضروریات کی چیزوں کو روک کر مہنگا کرنا جائز نہیں اس میں ظلم و ستم کرنے والے کو خدا نے دھمکی دی ہے کہ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ ہم اُسے دردناک سزا دیں گے اس میں لڑائی جھگڑا فتنہ و فساد گالی گلوچ یا وہ گوئی اور بدزبانی ممنوع ہے۔ غرضیکہ حج انسان کو امن و امان کا درس بھی دیتا ہے۔

فضائل مدینہ منورہ

فضائل مدینہ منورہ میں چند احادیث تحریر کی جاتی ہیں۔

۱۔ حضور سرورِ کائنات علیہ السلام مدینہ منورہ کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ جب کبھی سفر سے واپس آتے اور مدینہ طیبہ کے قریب پہنچتے تو اپنی سواری کو کمال شوق مدینہ میں تیز کر دیتے اور اپنی چادر مبارک اپنے کندھے سے ہٹا کر فرماتے ہٰذِہٖ اَرْوَاحٌ طَیِّبَۃٌ یعنی یہ ہوائیں بھلی لگتی ہیں۔ مدینہ کے گرد و غبار کو اپنے چہرہ انور سے ہرگز صاف نہ فرماتے اور فرماتے خاکِ مدینہ شفا ہے۔

۲۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو قیامِ مدینہ کی ترغیب و تحریص فرمائی اور اس کی شدت اور محنت پر صبر کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

مَنْ صَبَرَ عَلٰی اَذَاھَا وَشِدَّتِھَا کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا وَّشَفِیْعًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

یعنی جس کسی نے مدینہ کی شدت اور ایذا پر صبر کیا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔

ایک جگہ فرمایا:۔

مَنْ مَّاتَ فِی الْمَدِیْنَۃِ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

یعنی جو شخص مدینہ میں مرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی ہوں گا۔

۳۔ حدیث صحیح میں ہے کہ

اَلْمَدِیْنَۃُ یَنْفِیْ خُبْثَ الرِّجَالِ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ۔

یعنی مدینہ آدمیوں کی میل کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کو میل سے صاف کر دیتی ہے۔

۴۔ یہ شہر دجال کے خبث وجود سے محفوظ رہے۔ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ اس زمانے میں مدینہ کی حفاظت کی خاطر ہر کوچہ کے سرے پر ملائکہ کی ایک جماعت کھڑی کی جائے گی۔ وہ دجال کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دے گی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسا نہ ہوگا۔ جس کو دجال نہ روندے گا۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے۔

۵۔ ایک روایت میں ہے۔

لَا یُرِیْدُ اَحَدٌ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَہُ اللہُ فِی النَّارِ کَمَا ذُوِّبَ الرَّصَاصُ

جو اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اس طرح گلا دیتا ہے جس طرح سیسہ آگ میں پگھل جاتا ہے۔

نوٹ:۔ فضائل مدینہ منورہ کا مزید مطالعہ کرنے کا شوق ہو تو ہماری کتاب "بدر الکبریٰ" ملاحظہ فرمائیے

فضائل زیارت سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم

زیارت قبر شریف اور مرقد منیف میں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ

جس نے میری قبر شریف کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔

۳۔ مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ كَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

جو خالص میری زیارت کو آئے اور سوائے اس کام کے دوسری کوئی حاجت نہ ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔

۴۔ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو گویا میری زندگانی میں میری زیارت کی۔

۵۔ مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ

جس کسی نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی۔ بیشک اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

۶۔ مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

جو خالص میری زیارت کو آیا وہ قیامت کے دن میرے جوار میں ہوگا۔

۷۔ مَنْ حَجَّ اِلٰی مَكَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِیْ فِیْ مَسْجِدِیْ كُتِبَتْ لَهٗ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ۔

جس نے مکہ شریف کا حج کیا، پھر میری مسجد میں میری زیارت کا ارادہ کیا اس کے واسطے دو حج مبرور لکھے جاتے ہیں۔

بندۂ آثم
محمد صدیق نقشبندی الخطیب ملتانی
۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ بروز جمعہ

کتبہٗ محمد صدیق نقشبندی مجددی خانیوال ملتان

مصنف کی دیگر کتب

﴿۱﴾ بدر الکبریٰ

﴿۲﴾ کتاب التنویر

﴿۳﴾ فلسفہ ارکان خمسہ

﴿۴﴾ باطل اپنے آئینے میں

﴿۵﴾ دین فطرت

﴿۶﴾ خاموش مبلغ

﴿۷﴾ خدا کی ہستی کے دلائل

﴿۸﴾ الصلوٰۃ والسلام قبل الاذان علی حبیب الرحمٰن

﴿۹﴾ امام مھدی علیہ السلام

﴿۱۰﴾ علمی جواہر پارے

﴿۱۱﴾ الھدیۃ المبارکۃ فی بیان سبعین الفا من الملائکۃ
المعروف ستر ہزار فرشتے

﴿۱۲﴾ عقائد اہلبیت

﴿۱۳﴾ علوم خمسہ

﴿۱۴﴾ شرف المصطفےٰ علی الانبیاء

علماء و خطباء اور عوام الناس کے لئے مفید اور نایاب سلسلہ

کنز الخطیب

استاذ العلماء حضرت علامہ محمد دین چشتی گولڑوی مدظلہ کی مایہ ناز تصنیف

ماہ محرم الحرام	جلد اول	محرم الحرام شریف سے متعلق بارہ خطبوں پر مشتمل
ماہ صفر المظفر	جلد دوم	ولایت کا تعارف اور ماہ صفر میں وصال پانے والے حضرات اولیاء اللہ کے حالات پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ ربیع الاول شریف	جلد سوم	میلاد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ ربیع الثانی	جلد چہارم	علامات مومن، اولیاء اللہ اور حضور شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ جمادی الاولیٰ	جلد پنجم	مقصد تخلیق اور نماز پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ جمادی الاخریٰ	جلد ششم	جمادی الاخریٰ کا تعارف اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظمت کے پہلوؤں پر مبنی بارہ وعظ
ماہ رجب المرجب	جلد ہفتم	معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ اجمیری اور دیگر عنوانات پر مبنی بارہ وعظ
ماہ شعبان المعظم	جلد ہشتم	فضائل شعبان، فضائل زکوٰۃ، تحویل قبلہ اور [illegible] پاکستان [illegible] اور دیگر عنوانات پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ رمضان المبارک	جلد نہم	فضائل رمضان، فضائل قرآن، فضائل لیلۃ القدر کے علاوہ حضرت علی اور سیدہ فاطمہ اور جنگ بدر جیسے عنوانات پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ شوال المکرم	جلد دہم	فضائل عید الفطر، فضائل صدقہ کے علاوہ حقوق الوالدین [illegible] کمالات نبوت [illegible] سیرت اور ایصال ثواب جیسے اہم عنوانات پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ ذیقعدہ	جلد یازدہم	فضائل ذیقعدہ، فضائل مدینۃ المنورہ، تعمیر کعبۃ اللہ، عمرہ اور دیگر موضوعات پر مشتمل بارہ وعظ
ماہ ذی الحجہ	جلد دوازدہم	فضائل ذی الحجہ، فضائل و مسائل حج، حج کا طریقہ، شہادت حضرت عثمان غنی، شہادت حضرت عمر اور دیگر عنوانات پر مشتمل بارہ وعظ

قرآن و حدیث اور تاریخ و تفسیر کی معتبر و نادر کتب کے حوالہ جات سے مزین ایک نایاب علمی سلسلہ

آج ہی اپنے قریبی کتب خانے سے طلب فرمائیں

مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد